دورِ حاضر کے فتنے
اور اُن کا علاج
از قلم
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ
www.besturdubooks.wordpress.com
مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

وكذلك مكنا ليوسف في الأرض
ولنعلمه من تأويل الأحاديث
والله غالب على أمره
ولكن أكثر الناس لا يعلمون

ازقلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ

جمع وترتیب: محمد انور بدخشانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين ، امّا بعد :

عن اسامة بن زيد رضى الله عنه قال : اشرف النبى ﷺ على اطم من اطام المدينة ، فقال هل ترون ما أرى ؟ قالوا : لا ! قال : فانى لأرى الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع المطر . [مشکوة صـ٤٦٢]

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے بلند مکانات میں سے ایک بلند مکان کی چھت پر چڑھے اور فرمایا: کیا تم اس چیز کو دیکھ رہے ہو جس کو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ کرام نے جواب دیا: نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ میں ان فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں میں بارش کی طرح برس رہے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے امت مسلمہ پر آنے والے فتنوں کی پیشگی اطلاع فرمائی ہے اور مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ قیامت تک آنے والے فتنوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کرتے رہیں، فتنہ کیا ہے؟ عربی لغت کے اعتبار سے ہر آزمائش اور پرکھ فتنہ کہلاتا ہے، اسی طرح جو بھی چیز انسانی عقل اور عزائم کے لیے آزمائش کا سبب بنے اور اسے راہ حق وجادہ مستقیم پر قائم نہ رہنے دے وہ فتنہ کہلاتی ہے خواہ وہ گمراہ کن نظریات کی صورت میں ہو یا باطل افکار اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی شکل میں، یہ سب فتنے کی مختلف صورتیں ہیں، حضور ﷺ نے اپنے بیانات ومواعظ میں اس قسم کے فتنوں کے تسلسل

اور کثرت کے ساتھ واقع ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ جو دل ان فتنوں کو قبول کریں گے وہ سیاہ ہو جائیں گے اور اوندھے برتن کی مانند ایمان ومعرفت کے نور سے خالی ہو جائیں گے، جو دل ان فتنوں کو قبول نہیں کریں گے وہ صاف ستھرے سفید پتھر کی مانند ہو جائیں گے جن پر فتنوں کا اثر نہیں ہو سکے گا۔

والد ماجد محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ کا انہی فتن، ان کے منفی اثرات اور ان سے بچاؤ کی تدابیر سے متعلق مختلف مضامین کا یہ مجموعہ آج سے تقریباً سات سال قبل شائع ہوا، یہ مضامین بنیادی طور پر جامعہ علوم اسلامیہ سے شائع ہونے والے جریدے ماہنامہ ''بینات'' کے لیے ملکی وملّی حالات کی مناسبت سے مختلف موقعوں پر لکھے گئے تھے جن کی تازگی اور نکھار آج بھی جوں کا توں برقرار ہے اور ہر مسلمان کو فکر وعمل کی دعوت دے رہے ہیں، استاذ محترم حضرت ڈاکٹر مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ نے حضرت والد ماجدؒ کی وفات کے بعد ان کے بینات کے اداریہ کے لیے لکھے ہوئے تمام مضامین کو ''بصائر وعبر'' کے عنوان سے دو ضخیم جلدوں میں جمع کر کے شائع کیا، بعد میں استاذ محترم حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ نے ''بصائر وعبر'' میں فتنوں سے متعلق ان تمام مضامین کو یکجا کر کے ''دور حاضر کے فتنے اور ان کا علاج'' کے نام سے طبع کرایا جسے ملک وبیرون ملک ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اب یہ مجموعہ مکتبہ بینات شائع کر رہا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور ہمیں حضرت والد ماجدؒ کے لگائے ہوئے گلشن کی کما حقہ خدمت کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

سید سلیمان یوسف بنوری
نائب رئیس جامعہ علوم اسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم ، اما بعد:

قال الله تعالى :

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً﴾

ترجمہ: اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر۔

ہم آج کل جن فتنوں میں گھرے ہوئے ہیں ہر ذی شعور اور صاحبِ بصیرت ان فتنوں سے نجات کی فکر میں ہے اور چھٹکارے کے لئے راہ بھی ڈھونڈتا ہے لیکن ایک فتنہ سے نجات نہیں ملتی کہ دوسرا اور تیسرا فتنہ سر پر آ کھڑا ہوتا ہے اور گویا ﴿**ظلمات بعضها فوق بعض**﴾ کا مصداق بن جاتا ہے، قرآن کریم نے نشاندہی کی ہے کہ دراصل فتنوں کی جڑ تمہارے گھروں میں ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾

ترجمہ: اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آدمی کے پاس مال اور اولاد نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ مال جائز طریقہ سے کمائے اور پھر جائز مصرف میں خرچ کرے، اگر مال کو حرام طریقہ سے کمایا، یا حلال طریقہ سے تو کمایا

لیکن خرچ ناجائز طریقے سے کیا تو یہ مال کا فتنہ ہے، اسی طرح اگر مال نہ ہو تو صبر و قناعت نہیں ہوتا اور کبھی کبھار یہی مال کی کمی انسان کو کفر کی سرحد پر لا کھڑا کر دیتی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث رسول اللہ ﷺ میں ہے: ((کَادَ الْفَقْرُ أَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا))

ترجمہ: بسا اوقات فقر و تنگ دستی سے کفر کا اندیشہ ہوتا ہے۔

نیز اولاد کی صحیح تربیت کرے تا کہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اس کے لئے آزمائش و پریشانی کا ذریعہ نہ بنے اگر اولاد کی صحیح تربیت نہ کی اور اولاد اس کی موت کے بعد گناہوں اور برائیوں میں مبتلا ہوگئی تو یہی اولاد صدقۂ جاریہ بننے کے بجائے اس کے لئے فتنہ کا باعث بنے گی اور قیامت کے دن اس شخص سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

آج کل فتنے تو ان گنت ہیں لیکن ان بے شمار فتنوں میں سے چند قابل ذکر فتنے یہ ہیں:

۱- نفاق اور ایک دوسرے پر بے اعتمادی، آج کل کے مسلمان (الا ماشاء اللہ) نہ اپنے رب سے مخلص ہیں اور نہ اپنے مسلمان بھائیوں سے اخلاص سے پیش آتے ہیں بلکہ ہر ایک دوسرے کے نقصان کے درپے اور دھوکہ کی فکر میں رہتا ہے، ظلم کو انصاف پر جھوٹ کو سچ پر اور حرام کو حلال پر ترجیح دیتا ہے۔

۲- مال کی محبت اور حرص و لالچ، اسلامی و شرعی اصولوں کے طریقوں کے مطابق کاروبار کو پس پشت ڈال کر حرام اور سود جیسے گھناؤنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں اور دن رات یہی فکر سوار ہے کہ کسی طرح مال زیادہ ہو جائے۔

۳- اگر ایک شخص پنج وقتہ نماز میں پابندی سے حاضر ہوتا ہے، علماء کرام یا علم کے ساتھ کچھ مناسبت رکھتا ہے اور مزید برآں تبلیغ میں کچھ وقت لگا یا ہوا ہوتا ہے (ان چیزوں کی اہمیت اور فضیلت سے انکار نہیں) تو وہ اپنے آپ کو مفکر دین اور مجدد اسلام سمجھنے لگتا ہے پھر علماء کرام سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور خود کو ملائکہ مقربین میں سے خیال کرنے لگتا ہے، چنانچہ اسے علماء دین، دینی مدارس اور دین کے دیگر تمام شعبے لایعنی اور مقصد سے ہٹے

ہوئے نظر آتے ہیں تو یہ بھی اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے جس کا سد باب ضروری ہے۔

یہ تو صرف ایک جزوی نمونہ ہے جو کہ مختصراً عرض کیا گیا، مزید تفصیل آپ اس مجموعے کے اندر پائیں گے۔

یہ کتاب اصلاً میرے حضرت محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کے ان منتشر مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے مجلّہ ''بینات'' میں ''بصائر وعبر'' کے عنوان سے تحقیقی، علمی اور حکیمانہ مقالات تحریر فرمائے، اور یہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی بصیرت اور دوراندیشی کی واضح دلیل ہے کہ آج سے پچیس تیس سال قبل جو حضرت نے تحریر فرمایا وہ حرف بحرف آج مشاہدہ میں ہے، چنانچہ ان بیش بہا مضامین میں سے خاطر خواہ حصہ فتنوں اور ان کے علاج سے متعلق تھا لیکن منتشر طور پر اور عام آدمی کی دسترس سے دور تھا، چنانچہ ان مضامین کو عنوانات لگا کر مرتب کرنے کی ادنی کوشش کی گئی ہے اور مقصود اس سے صرف اصلاح ہے۔

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ اس مجموعہ کو حضرت بنوری رحمہ اللہ کے لئے صدقۂ جاریہ، پڑھنے والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت اور مرتب کے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

محمد انور بدخشانی

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

فہرست مضامین

فتنے اور امت محمدیہ

حق تبارک وتعالی جل ذکرہ نے امت محمدیہ کے لئے جس ہادی ورسول کا انتخاب فرمایا ﷺ اسے رحمت للعالمین بنایا، اس رحمت کا ظہور بہت سی شکلوں میں ہوا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام امت (خواہ وہ دعوت محمدیہ کے سایہ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو) اس رحمت عامہ کی بدولت عام عذاب الہی سے محفوظ ہوگئی، پہلی امتوں پر طرح طرح کے عذاب عام نازل ہوئے جن سے پوری پوری امتیں تباہ و برباد کردی گئیں، بعض کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کردیا گیا، بعض پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، بعض کو زمین میں دھنسایا گیا، بعض کو طوفان کی نذر کردیا گیا اور بعض کو سمندر میں غرق کردیا گیا، حق تعالی نے آنحضرت ﷺ کی امت کو ان سے محفوظ رکھا۔

حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - فداہ آبائنا و أمھاتنا - نے ایک حدیث میں فرمایا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے ایسے آرہے ہیں جیسے بارش کے قطرے برستے ہیں، عہد نبوت کے دور مبارک کے کچھ عرصہ بعد سے ہی ان فتنوں کا دور شروع ہوا ہے اور ہمیشہ مومنین و مخلصین کا امتحان ہوتا رہا ہے، لیکن عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے ایمان اتنا قوی رہا کہ زیادہ تر فتنوں

کا دائرہ صرف ''عمل'' تک محدود رہا، دلوں کا یقین بڑی حد تک محفوظ رہا، لیکن عہد نوبت سے جتنا بعد ہوتا گیا ایمان ویقین میں بھی ضعف رونما ہونے لگا، یہاں تک کہ عصر حاضر میں تو دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں فتنوں کا ایک ''سیلاب'' امڈ آیا ہے، علمی، عملی، دینی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی اتنے فتنے ظاہر ہو چکے ہیں کہ عقل حیران ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے:

''لتتبعن سنن من كان قبلكم ذراعا بذراع وشبرا بشبر حتى لو دخل أحدهم جحر ضب لدخلتموه''

یعنی تم بھی پہلی امتوں یہود ونصاری اور مشرکین کے نقش قدم پر چل کر رہو گے اور ان کے اتباع میں اتنا غلو ہو جائے گا کہ اگر بالفرض کوئی کسی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہے تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے یعنی فضول ولایعنی اور عبث حرکات میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔

آج جب ہم دنیائے اسلام کا جائزہ لیتے اور مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت کو دیکھتے ہیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو پوری تصدیق ہو جاتی ہے، مسلمانوں کے موجودہ معاشرے کو جب دیکھتے ہیں خصوصا بلاد عربیہ اسلامیہ کا جب جائزہ لیتے ہیں تو بے حد افسوس ہوتا ہے کہ بمشکل کوئی خدوخال ایسا نظر آتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ مسلمان ہیں ''مغربیت'' کے اس سیلاب میں اس طرح بہہ جانا انتہائی دردناک ہے، پھر کاش یہ مغربیت اور یورپ پرستی ظاہر تک ہی منحصر ہوتی، اب تو یہ زہر ظاہر سے تجاوز کر کے باطن تک سرایت کر چکا ہے، خیالات، افکار، نظریات، احساسات سب ہی میں یورپ کا چربہ اتارا جانے لگا ہے، مسلمان ملکوں کی یہ تباہی وبربادی دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے، ستم بالائے

ستم یہ ہے کہ ''قومیت'' کی لعنت اس تیزی سے ابھر رہی ہے کہ **الامان الحفیظ** ، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں ، نہ معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا؟

سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مغربیت کے ان زہریلے اثرات سے ''حرمین شریفین'' بھی محفوظ نہیں رہے ، لڑکیوں کی تعلیم جبری ہو چکی ہے ، تھیٹر کی بنیاد پڑ چکی ہے ، ٹیلی ویژن جدہ ، مکہ مدینہ تک آ گیا ہے اور اس دردناک صورت میں کہ مدینہ منورہ میں ٹیلی ویژن کا افتتاح کسی امریکی فلم سے کیا گیا ہے ، انا للہ ! مسجد نبوی کے بالکل سامنے ٹیلی ویژن لگا ہوا ہے ، نماز عشاء کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہو کر آتے اور صلاۃ وسلام کا تحفہ بارگاہ قدس میں پیش کر کے نکلتے ہیں تو دلوں میں جو رقت ونور پیدا ہوتا ہے ٹیلی ویژن کی ظلمتیں اس کو یکسر ختم کر دیتی ہیں ، اس سے بھی بڑھ کر دردناک واقعہ یہ ہے کہ ''غزوہ بدر کبریٰ'' کا ڈرامہ خاص مکہ مکرمہ میں ''عبداللہ بن الزبیر'' کے مدرسہ میں طلبہ کے ذریعے کھیلا گیا ہے ، ۱۷ ر رمضان المبارک دوشنبہ کی رات میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے ، مکہ مکرمہ کے بہت سے شرفاء ومعززین نے یہ ڈرامہ دیکھا ہے ، طلبہ نے حضرت سعد بن معاذ ، حضرت مقداد بن الاسود ، حضرت عباس بن عبد المطلب ، حضرت حکیم بن حزام ، ابوجہل اور ولید بن المغیرہ کے کردار ادا کیے ہیں ، اس ڈرامہ میں بار بار حضرت مقدادؓ ، حضرت بلالؓ کو پردے کے پیچھے بھیجا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے آئیں کہ ان کی کیا رائے ہے؟ ستم یہ ہے کہ یہ ڈرامہ مکہ مکرمہ کے تمام اخبارات میں دیکھنے والوں اور دکھانے والوں کی تصویروں کے ساتھ شائع ہوا ہے اور تمام جرائد واخبارات اس رسوا کن ڈرامہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ۔

اس وقت جریدہ ''الندوہ'' شمارہ ۱۸ ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی یہ

کٹنگ میرے سامنے ہے بعض دیکھنے والوں کا تو یہ کہنا ہے کہ اس سے کہیں زیادہ دردناک پہلو اس ڈرامہ کا یہ تھا کہ ڈرامہ کی روح یہ تھی کہ صحابۂ کرام کی زندگی ابتداء اسلام میں اس طرح بسر ہوتی تھی کہ کفار کے قافلوں کو لوٹ کر اپنا گذارہ کریں، انا للہ وانا الیہ راجعون:

چوکفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

اسلام اور تاریخ اسلام کے خلاف امریکہ اور یورپ کے شیاطین جو کام خود نہ کر سکے تھے وہ مسلمانوں سے کرادیا، **فیا غربة الاسلام و یا غربة المسلمین!** حرمین شریفین کے وہ علماء اور نجد و ریاض کے وہ مشائخ جن پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دارومدار ہے اور انہی کے فتاوی کی پورے ملک میں وقعت ہے بلکہ دینی ذمہ داری اور شرعی احتساب کا دارومدار انہی پر ہے وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ حکومت کی سیاسی مصالح اس تمدن وتہذیب کے اپنانے کی مقتضی ہی ہم کچھ نہیں کر سکتے یا کچھ نہیں کہہ سکتے:

لمثل ھذا یذوب القلب عن کمد

ان کان فی القلب اسلام وایمان

ان فتنوں کو دیکھ کر خصوصاً منبع وحی اور مرکز ایمان، ان بقاع مقدسہ کے فتنوں کو دیکھ کر، یقین ہوتا جارہا ہے کہ ''قیامت کبریٰ'' اب بالکل قریب آچکی ہے، اصلاح کی کوئی امید نظر نہیں آتی، اللہ تعالی رحم فرمائیں، انتہائی فکر اور تشویش اس کی ہے کہ حجاج کرام اور زائرین حرم اقدس ان حالات کو دیکھ کر کیا تاثرات اپنے دلوں میں لے کر آئیں گے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کا دین قرآن وسنت ہے وہ یقیناً محفوظ ہے، صحابۂ کرام کی حیات مقدسہ تاریخ اسلام کے صفحات پر عیاں اور روشن

ہے، صحیح دین پر عمل کرنے والوں کی جماعتیں اور افراد بھی دنیا میں موجود ہیں لیکن بشریت کی کمزوری، نفس اور شیطان کی فریب کاری کے تحت یہ ''بے علم'' حجاج وزائرین ان قبیح مناظر کو دیکھنے کے بعد کیا تاثرات اختیار کریں گے؟ خدا ہی جانتا ہے، بس اللہ تعالی کی ہی قدرت میں ہے کہ کوئی لطیفہ غیبی ظاہر ہو اور دینی انقلاب آجائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اُمت مرحومہ اور فتنے

حضرت رسول اللہ ﷺ کی یہ امت مرحومہ رحمت للعالمین کی برکت سے اگر چہ بہت سے ان عمومی امراض اور عمومی عذاب سے نجات پا چکی ہے جن میں پہلی امتیں مبتلا ہوئی ہیں، لیکن اس کے باوجود مؤمنین کے ایمانی امتحان کے لئے اس امت کے ہر دور میں فتنوں کا ایک مسلسل تکوینی نظام جاری ہے حتیٰ کہ ''فتنہ'' نام ہی آزمائش کا ہوگیا اور جب بھی کوئی فتنہ عالمگیر صورت اختیار کر لیتا ہے تو روئے زمین کے تمام مخلصین وصالحین کے قلوب بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، اگر چہ وہ عملی طور پر اس سے ہر طرح محفوظ رہتے ہیں، تاہم اعتقادی طور پر ان میں وہ ایمانی قوت وشدت باقی نہیں رہتی جو پہلے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوت سے جتنا بُعد ہوتا جاتا ہے ان فتنوں کی اتنی ہی کثرت ہوتی جاتی ہے اور اسی نسبت سے ایمانوں میں ضعف نمایاں ہوجاتا ہے، جب بارشیں کثرت سے ہوجاتیں ہیں تو ساری ہی فضا اور ہوا مرطوب اور نم دار ہو جاتی ہے اور جہاں جہاں ہوا کا نفوذ ہوتا ہے وہاں رطوبت اور نمی سرایت کر جاتی ہے، دیکھا ہوگا کہ برسات کے موسم میں بارش کی کثرت کے سبب بکسوں کے اندر بند لپٹے ہوئے کپڑوں میں بھی نمی پہنچ جاتی ہے

ٹھیک اسی طرح فسق و فجور اور بداعمالی کے فتنوں کے دور میں صالحین کے قلوب بھی ان سے متأثر ہو جاتے ہیں اور درج ذیل حدیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں شاید اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے:

((اللّٰهُمَّ اِذَا أَرَدتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْکَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ))

ترجمہ: الٰہی! جب تو کسی گروہ کو کسی فتنہ (آزمائش) میں ڈالنا چاہے تو مجھے (اس سے پہلے ہی) فتنہ (آزمائش) کے بغیر اپنے پاس اٹھا لے۔

اس میں شاید اسی مندرجہ بالا گذشتہ مضمون کی طرف اشارہ ہو۔

فتنوں کی اقسام

ہر دور میں فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں، لیکن بنیادی طور پر فتنے دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱- ایک عملی فتنے

۲- دوسرے علمی فتنے

عملی فتنے

گناہوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں جو امت میں عام ہو جاتی ہیں، زنا اور شراب کی کثرت، سود خوری و رشوت ستانی، بے حیائی و عریانی، رقص و سرور، اس کے نتیجہ میں استبداد (ظلم) کذب و افتراء بدعہدی و بدمعاملگی وغیرہ، یہ اخلاقی بیماریاں جو معاشرہ میں پیدا ہو جاتی ہیں اور ان کے مختلف اور متنوع وجوہ و اسباب ہوتے ہیں، بہرصورت ان بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کے اثرات نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ سارے ہی اعمال صالحہ پر پڑتے ہیں، جتنی ان برائیوں میں کثرت

وہمہ گیری پیدا ہوتی ہے اتنی ہی ان نیکیوں میں ضعف واضمحلال اور کمی آجاتی ہے۔

علمی فتنے

علمی فتنے وہ ہوتے ہیں جو علوم وفنون کی راہ سے آتے ہیں تاریخ اسلام میں ان علمی فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں، بہرصورت ان علمی فتنوں کا اثر براہ راست اعتقاد پر پڑتا ہے، ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ ''باطنیہ'' (اسماعیلی فرقہ) کا تھا جو قرامطہ کے دور میں ابھرا اور خوب پھلا پھولا، اس فتنہ کا سب سے بڑا اور برا نتیجہ یہ نکلا کہ دین میں الحاد وتحریف کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی حقائق ''ضروریاتِ دین، متواتراتِ اسلام، بنیادی عقائد واعمال، مجمع علیہ شعائرِ اسلام'' میں تأویلوں اور تحریفوں کے دروازے کھل گئے (اور اسی کے نتیجہ میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور دیگر شعائرِ اسلام ان کے مذہب سے نکالے گئے)۔

اس آخری دور میں یہ فتنہ بہت بڑے پیمانے پر تمام اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا، اور مستشرقینِ یورپ نے تو اس کو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس وتدریس، تصنیف وتألیف، نشرواشاعت، تحقیق وریسرچ غرض ہر دلکش اور پُرفریب عنوان سے اس کے پیچھے پڑ گئے اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کردیں، اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک ''کارگرترین حربہ'' قرار دے لیا، یہاں تک کہ جو طلبہ اسلامی ممالک سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے یورپین ممالک کا سفر کرتے ہیں ان درس گاہوں میں ان طلبہ سے ''اسلامی موضوعات'' پر ایسے ''مقالات ومضامین'' لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلبہ بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم ازکم ''تشکیک'' کے اندر ضرور مبتلا جاتے

ہیں، یہ وہ دردناک داستانیں ہیں جن کی تفصیل کے لئے بے پایاں دفتر درکار ہیں، ''مجمع الزوائد'' میں حافظ نور الدین ہیثمی نے بحوالہ ''معجم طبرانی'' ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی نقل کی ہے:

((انـه کـان یتعـوذمـن فتـنة المشرق، قیل فکیف فتنة المغرب؟ قال: "تلک اعظم واعظم"))

ترجمہ: نبی کریم ﷺ فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے، بہت ہی بڑا ہے۔

یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی مراد فتنہ مغرب سے کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ سقوط اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا، اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا، تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہوگیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلاد مغرب کے اس فتنہ میں استشراق کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد وتحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا، بہر حال الفاظ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

ان علمی وعملی فتنوں کا انسداد

الغرض اس دور میں یہ علمی وعملی فتنے پورے زور وشور اور طاقت وقوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں، ہمارا ملک نسبتاً ان سے مامون ومحفوظ تھا، لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال ودولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید

نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے کوئے سبقت لے جائے۔

تبلیغی جماعت کے ذریعے علمی فتنوں کا انسداد ممکن نہیں

عرصہ سے جب بھی ان حالات کا جائزہ لیا گیا اور صورت حال پر غور وخوض کیا گیا کہ اس سیلاب کی روک تھام کے لئے یا عمومی اصلاح احوال کے لئے کون کون سے افراد یا جماعتیں کام کر رہی ہیں؟ اور یہ فرض کفایہ انجام پذیر ہو رہا ہے یا نہیں؟ اور یہ دینی درس گاہیں جو پشاور سے لے کر چاٹگام تک پھیلی ہوئی ہیں یہ موجودہ ملک گیر امراض کے لئے نسخہ شفا ہیں یا نہیں؟ جب بھی پورا جائزہ کامل غور وخوض سے لیا گیا نتیجہ یہی نکلا کہ مرض کا پورا علاج نہیں ہو رہا، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کے خلف رشید حضرت مولانا محمد یوسف رحمہما اللہ کی جماعت جس کا بعد میں جا کر ''تبلیغی جماعت'' نام پڑ گیا ہے سب جماعتوں سے بہتر خدمت انجام دے رہی ہے اور اس کے برکات دور دراز تک پہنچ رہے ہیں اور معاشرے میں جو عملی فتنے پیدا ہو رہے ہیں ان کے ازالہ کے لئے ''اکسیری علاج'' کا کام کر رہی ہے، لیکن موجودہ حالات میں انقلاب برپا کرنے اور مکمل اصلاح احوال کے لئے جس عمومی اور ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت ہے ابھی تک اس معیار پر کام نہیں ہو رہا، بایں ہمہ اگر یہ جماعت کچھ اور عموم اور مزید توجہ واہتمام کے ساتھ بھی یہ خدمت انجام دینے لگے، تب بھی اس کا دائرہ کار عملی فتنوں کی اصلاح تک محدود رہے گا علمی فتنے اس جماعت کے دائرۂ اصلاح سے بالکل باہر ہیں۔

اس لئے آرزو تھی کہ کوئی جماعت ایسی جامع ہو کہ علمی اور عملی دونوں قسم کے فتنوں کی اصلاح کی طرف قدم اٹھائے لیکن اس کا تانا بانا اسی ''تبلیغی جماعت''

کے طریق کار پر رکھا جائے کہ نہ اس کا کوئی صدر و سیکریٹری ہو نہ کہیں اس کا دفتر ہو نہ خزانہ ہو۔

علمی وعملی فتنوں کے انسداد کے لئے
ایک اصلاحی جماعت کی تاسیس

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے مختلف اوقات میں گفتگو ہوتی رہی اور ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو دینی درس گاہیں ہم چلا رہے ہیں اگرچہ وہ بھی ایک ٹھوس اور بنیادی خدمت ہے اور دہریت کے سیلاب کے دفاع کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے لیکن بحالت موجودہ ہماری مسؤلیت اس پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ محنت اور وسعت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، اور جب تک ان علمی وعملی فتنوں کے دفاع کے لئے اپنے مدرسہ اور دار العلوم میں جتنی اہمیت وتوجہ کے ساتھ کام نہ کیا جائے گا یہ مقصد انجام پذیر نہ ہوگا اور ہم مسئولیت سے سبکدوش نہ ہوں گے۔

کام کی وسعت اور ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ پر اپنی کم ہمتی اور اس سے بھی زیادہ کوتاہ دستی کی طرف جب نظر جاتی تھی تو حوصلہ پست ہو جاتا، لیکن جتنا سوچا آخرت کی مسؤلیت اور جواب دہی کا احساس شدت کے ساتھ بڑھتا رہا، تا اینکہ بہر صورت پہلو تہی اور روگردانی کی کوئی گنجائش نہ رہی اور عزم مصمم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو توکلاً علی اللہ اس بے سروسامانی سے قطع نظر کر کے حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں قدم اٹھانے کا عزم کر لیا۔

اور ہم دونوں نے چند اپنے ہم نوا اور شریک احساس علماء اور ارباب

صحافت کو بالکل غیر رسمی طور پر کراچی میں جمع کر کے اس جماعت کا ایک ابتدائی ڈھانچہ تیار کر لیا جس کی تفصیلات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر، اس جماعت کے اغراض و مقاصد، نظام اور طریق کار میں آپ ملاحظہ فرمائیں:

فتنوں کے خاتمے کے لیے مجلس دعوت و اصلاح کا قیام

اہل علم اور اہل دین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت مسلمان غیر معمولی عددی اکثریت اور بہت سی آزاد خود مختار سلطنتوں کے مالک ہونے کے باوجود کن دل دوز حالات سے گذر رہے ہیں، دینی، علمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے بھی پوری مسلم قوم کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایسا بھیانک منظر سامنے آجاتا ہے کہ اس کے عواقب کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے:

﴿ظهر الفساد فی البر و البحر بما كسبت ايدى الناس﴾

ترجمہ: ظاہر ہو گیا فساد خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے۔

''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم''

ہمارے اپنے ملک میں ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائی مشنریوں نے پورے ملک پر یلغار کی ہوئی ہے، طرح طرح کے لالچوں اور مختلف حیلوں سے بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کو دین حق سے مرتد بنا رہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ایسے عناصر پیدا ہو گئے ہیں جو اصلی اسلام کو مسخ و محرف کر کے اپنی اغراض واہواء کے مطابق ''اسلام کا جدید ایڈیشن'' تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں، ''اسلامی ریسرچ'' اور ''اسلامی ثقافت'' کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جو ''مستشرقین'' کے اسلام دشمن حلقے

اب تک نہ کر سکے تھے، ''شعائر اسلام'' کو مجروح اور اسلام کے ''اجماعی'' اور ''متفق علیہ'' اصول واحکام کو مشکوک بنانے کی ''سعی پیہم'' قوم کے لاکھوں روپے کے صرفہ سے جاری ہے۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں بے حیائی، عریانی، رقص وسرود، بے حجابی، اغواء، بدکاری، شراب نوشی، قمار بازی، معاشرتی افراتفری اور خاندانی نظم کی ابتری کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں میں امڈا چلا آرہا ہے، سود، دھوکہ، فریب، جعلسازی اور دوسرے اخلاقی معائب معاشرے کی ایمانی اور اخلاقی حس کو مضمحل سے مضمحل تر کئے جارہے ہیں اور عام نظم ونسق کا تعطل اس حد تک شدید ہو چکا ہے کہ ایک عام آدمی کے لئے حصول انصاف تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔

یہ سیلاب مغربی تہذیب کے گہواروں سے شروع ہوا اور اب دیندار مسلمانوں تک کے گھروں میں گھس چکا ہے، اور اکابر علماء واتقیاء کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے، اور یہ بات یقینی دکھائی دے رہی ہے کہ اگر اس سیلاب کو روکنے کی جدوجہد میں اہل حق نے اپنے تمام وسائل داؤ پر نہ لگا دیئے تو چند سالوں کے بعد ہلاکت آفرین طوفان کے مقابلہ کی سکت ہی باقی نہ رہے گی۔

دینی درس گاہوں اور اداروں کی اول تو کوئی معتد بہ تعداد ہی نہیں اور جو ہیں وہ بھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں اور جو کچھ کام کر رہے ہیں ان کا بھی حلقہ اعانت وہمدردی روز بروز سمٹ رہا ہے، اسی لئے ان اداروں کے اثرات مدہم سے مدہم تر ہوتے جارہے ہیں، اور ان اداروں سے اب ایسی شخصیتیں نہیں ابھر رہیں جو الحاد زندقہ اور ضلالت جدیدہ کے علی الرغم علم اسلام کو ہمت وجرأت سے بلند کر سکیں، اور دعوت الی اللہ کے تقاضے کو پورا کر سکیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دینی درس گاہوں

اور اداروں میں بھی فکر آخرت سے زیادہ جاہ و مال کی طلب غالب ہونے لگی ہے اور روحانی قدروں پر مادیت غالب آتی جا رہی ہے۔

ان حالات میں نگاہیں بار بار ان چند اصحاب فکر وعمل کی جانب اٹھتی رہیں جو ماحول کی نامساعدت کے علی الرغم عنداللہ مسؤلیت کا احساس رکھتے ہیں، جن کی نظریں ان فتنوں پر بھی ہیں جن کی نشاندہی ابھی کی گئی ہے اور جو اپنی اپنی حد تک ادائیگی فرض میں کوشاں بھی ہیں، ان حضرات کی اکثریت دینی ادروں سے متعلق ہے کچھ دینی تعلیمی اداروں کو چلا رہے ہیں اور کچھ تصنیف وتالیف افتاء اور اپنے افکار کی نشر واشاعت نیز لادینی، الحاد اور تجدد کی تردید میں مصروف ہیں، بلاشبہ ان حضرات کی تعداد بہت کم ہے لیکن اگر ان کی مساعی حسنہ کو منظم کرلیا جائے تو یہ امید بندھتی ہے کہ اس الحاد و بے دینی اور اشاعت فواحش ومنکرات کے سیلاب کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ ہمارے ضعف و ناتوانی کو دیکھ کر وہ ان حقیر مساعی میں حالات کا رخ بدلنے کی قوت واستعداد پیدا فرمادیں۔

وماذلک علی اللہ بعزیز

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے جانہ ہوگا کہ ہم دین کی خدمت میں کرنے والے چند ایسی الجھنوں میں بھی پھنسے ہوئے ہیں جو ہماری دینی مساعی کے ثمر آور ہونے میں مانع ہیں بلکہ بے دینی کے اس سیلاب کو ہمارے ان ''مشاغل'' سے مدد بہم پہنچ رہی ہیں۔

موانعات کے اس سلسلہ کی ''پہلی'' کڑی یہ ہے کہ دین کے نام پر کام کرنے والے بہت سے اہل علم خود فروعی مسائل پر مناظروں مباحثوں اوران کے نتیجے میں جنگ وجدال کے اندر ایسے گرفتار ہیں کہ اولاً تو یہ جھگڑے انہیں یہ سوچنے کی

فرصت ہی نہیں دیتے کہ اسلام اور قرآن ان کو کس محاذ پر اپنی طاقت صرف کرنے کے لئے پکار رہا ہے اور وہ کہاں اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں؟!

''ثانیاً'' الحاد و بے دینی اور تجدید پسندی اور بداعمالی و بداخلاقی کا جو طوفان پورے عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لئے ہوئی ہے، یہ تگ و دو جو باہمی مناقشات کی صورت میں کر رہے ہیں اس طوفان سے صرف نظر کا سبب بن رہی ہے اور ہم اس کی ہلاکت و بربادی کے صحیح شعور سے ہی محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ صورت حال اس امر کی متقاضی ہے کہ دین کا علم اور عند اللہ مسؤلیت کے قوی احساس کے تحت اس عالمگیر فساد کی اصلاح کا قومی داعیہ رکھنے والے حضرات کو دینی مساعی کو ایک ایسے اجتماعی نظم کے تحت منظم کیا جائے جو مروجہ قسم کی جماعت سازی کے بجائے اسلام کے اصول اجتماعیت: ﴿ وتعاونوا علی البر والتقوی ﴾ اور ﴿ ان اکرمکم عند اللہ أتقاکم ﴾ کے تحت قائم ہو، رسمی تکلفات اور پابندیوں سے مبرا ہو اور امت میں کسی قسم کے تحزب اور تشتت کا باعث بننے کے بجائے باہمی ائتلاف و اتحاد کا ذریعہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر کے اس حصہ سے گذر رہا ہوں کہ جس میں عادتاً سابقہ مشاغل بھی چھوڑ کر یکسوئی کی زندگی موزوں ہوتی ہے، قویٰ کا انحطاط ہے، حافظہ غائب ہوتا جا رہا ہے، ایسی حالت میں کسی نئے کام کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی، مگر اس وقت میرے محب محترم مولانا محمد یوسف صاحب بنوری - بارک اللہ فی علمہ و عافیتہ - نے ہمت بندھائی اور اس کام کا بار اٹھانے کے لئے مخلصانہ جد و جہد پر کمر بستہ ہو گئے، ان کا علم و فضل محتاج تعارف نہیں، اصلاح مفاسد کے لئے ان کی بے چینی کا جذبہ مجھ جیسے بوڑھے کے لئے ایک ''طاقت کا انجکشن''

بن گیا اور ہم دونوں نے مل کر کچھ اور اہل فکر حضرات کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دعوت تمام رسمی تکلفات تنظیمی اور جماعتی بندھنوں سے بالا تر ہے، اسی لئے وقتی طور پر جن حضرات اہل فکر وعمل کے اسماء گرامی زیر مشورہ آئے ان کو دعوت دی گئی، نہ اس میں حضرات علماء کا انحصار ہے، نہ اہل فکر وبصیرت کا بلکہ ایک کام کو سادگی کے ساتھ شروع کرنے کے لئے چند حضرات کا مشورہ اس وقت کافی سمجھا گیا، آگے اللہ تعالیٰ اس کام کو بڑھائیں اور قبول فرمائیں تو اس حلقہ کی توسیع اور دوسرے حضرات کا اشتراک واجتماع انشاء اللہ بڑھتا رہے گا۔

اس نظام کو چونکہ سیاسی اور رسمی تنظیموں سے مختلف بالکل سادہ رکھنا مطلوب ہے اس لئے ابتدا میں تو یہ خیال تھا کہ اس نظام کا کوئی خاص نام بھی نہ رکھا جائے مگر کام کی سہولت کے پیش نظر بعض حضرات کے مشورہ سے اس رائے کو ترجیح حاصل ہوئی کہ اس نظام کا نام ''مجلس دعوت واصلاح'' رکھا دیا جائے۔

مجلس دعوت واصلاح کے مقاصد

مقاصد

۱- الحاد وارتداد، بے دینی اور تحریف دین اور مجمع علیہ منکرات کے سد باب کے لئے زبانی اور تحریری جدوجہد۔

۲- مسلمانوں کے مختلف طبقات کے گروہی اختلافات کو معتدل کر کے سب کو مجمع علیہ فواحش ومحرمات اور تحریف والحاد کی مدافعت پر جمع کرنا۔

۳- جدید پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتووں کے بجائے باہمی مشورہ سے تحقیق اور اجتماعی فیصلے پیش کرنا۔

تشریح

۱-الحاد وارتداد کے ذیل میں عیسائی مشنریوں کی یلغار، انکار حدیث، انکار ختم نبوت وغیرہ کے فتنے بھی شامل ہیں۔

۲- بے دینی اور تحریف دین کے ذیل میں ''اسلامی ثقافت''، ''اسلامی ریسرچ'' کے نام پر پیدا کئے ہوئے شکوک وشبہات جن کے ذریعہ سود، شراب، قمار، بے حیائی وغیرہ محرمات شرعیہ کے جواز کے راستے نکالے جارہے ہیں، اور مغربی تہذیب وتمدن کی پیداوار منکرات مثلاً بے حجابی، بادہ نوشی، مردوزن کا بے محابہ اختلاط، عریانی فحاشی، رقص وسرود کی محفلیں، اسراف وغیرہ منکرات شامل ہیں، دین اور علم دین سے بیگانگی اور عقیدت آخرت وفکر آخرت سے غفلت کے پیدا کردہ جرائم مثلاً جھوٹ، فریب، رشوت دھوکا دہی، جعلسازی اور ترک نماز وروزہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مقاصد اتنے کثیر اور وسیع ہیں کہ کوئی ایک جماعت یا ملک کا کوئی ایک حصہ ان سب کا بیک وقت احاطہ نہیں کرسکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر ہر حصہ میں اہل حق کی جماعتوں کے لئے اشتراک عمل کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور '' **الأهم فالأهم** '' کے قاعدہ سے انتخاب اور پھر تقسیم کار کے اصول پر کام کیا جائے اور عملی قدم اٹھایا جائے اور جماعت کے چند ذمہ افراد اس کی تعین کا کام کریں۔

نوعیت نظام

۱- یہ نظام خالصاً تبلیغی اور اصلاحی ہوگا، مروجہ سیاسی طریقوں سے بالخصوص

انتخابات کے ذریعہ نمائندگی، نیز حصول اقتدار کی کشمکش میں حصہ لینے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۲- ملک کے حالات اور عوامی جماعتوں کے طویل تجربہ کی بنیاد پر اس نظام کے لئے کوئی رسمی قسم کی جمہوری جماعت بنانا پیش نظر نہیں جس کے لئے ممبر سازی اور عہدوں، منصوبوں کی ضرورت پیش آئے بلکہ ملک کے اطراف میں جہاں جہاں جو مخلص حضرات اس کام کی فکر رکھتے ہیں اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنے کام میں آزاد خود مختار رہتے ہوئے اس کام کی نوعی اور طریق کار میں ایک معاہدہ کے پابند ہوں گے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہیں، اس طرح یہ نظام ایک ''معاہداتی وفاق'' کی حیثیت رکھے گا اور عند اللہ مسؤلیت کی اساس پر قائم اور جاری رہے گا۔

اس نظام کے شرکاء مندرجہ ذیل امور کا معاہدہ کریں گے:

الف: ہم خالصا لوجہ اللہ مقاصد ثلاثہ مذکورہ کو اپنے سب کاموں سے زیادہ اہمیت دیں گے اور موجودہ مشاغل میں سے اس کام کے لئے معتد بہ وقت نکالیں گے۔

ب: الحاد، بے دینی اور مجمع علیہ منکرات ومحرمات کے ازالہ کی جد وجہد اور اپنے اپنے اقرباء واحباء نیز معاشرہ کے ہر طبقہ بشمول حکمران وفرمانروایان ملک سب کی اصلاح ہمارا مقصد اول ہوگا۔

ج: فروعی اور گروہی مسائل کی بحثوں کو معتدل کرنے اور کرانے کی جد وجہد کریں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان بحثوں کو صرف حلقہ درس وفتوی اور خالص علمی مجالس تک محدود رکھا جائے گا، اس کے لئے عام اخباری اور عوامی ذرائع استعمال نہ کیے جائیں گے، مجتہد فیہ مسائل میں اپنے اپنے مختار مسلک پر عمل کریں

گے مگر مخالف پر نکیر نہ کریں گے اور منکرات شرعیہ پر نکیر میں بھی حکمت وموعظت اور ''مجادلۃ بالتی ھی احسن'' کے اصول کو نظر انداز نہ کریں گے، طنز اور طعن وتشنیع سے ہمیشہ گریز کریں گے۔

۳- اس نظام کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے ایک مختصر سی اساسی مجلس شوری ایسے علماء پر مشتمل ہوگی جن کے علمی کارنامے معروف ہوں اور ان کے تقویٰ و دیانت پر عام طور سے اعتماد پایا جاتا ہو، یہ جماعت اپنا ایک امیر منتخب کرے گی اور اپنے اصول کار خود طے کرے گی، ملک میں کام کرنے والے حلقے اس جماعت سے منسلک ہوں گے، اہم امور میں اس مرکزی نظم قائم کرنے والی جماعت سے مشورہ لیا کریں گے۔

۴- یہ مجلس ان کام کرنے والے حلقوں کی ضروری نگرانی اور دوسرے جدید حلقے پیدا کرنے کوشش کرتی رہے گی۔

۵- یہ جماعت اپنے تمام حلقہ ہائے کار کے ذمہ داروں کا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماع کرنے کا انتظام کرے گی جن میں سابقہ کارکردگی کا جائزہ اور آئندہ کے کام کا پروگرام باہمی مشورہ سے طے کیا جائے گا۔

۶- دعوت واصلاح کے اس نظام میں ملک کے دونوں بازو مغربی اور مشرقی شریک ہوں گے، سہولت کار کی غرض سے مشرقی پاکستان میں اسی طرح کی ایک مجلس شوریٰ بنائی جائے گی اور دونوں مجلسوں کے باہمی مشورہ اور اشتراک وارتباط کا طریقہ مشورہ سے طے کرلیا جائے گا۔

۷- یہ جماعت اس کا بھی انتظام کرے گی کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتاویٰ کے بجائے ملک کے ارباب فتویٰ کی آراء حاصل کرے اور

ضرورت ہوتو ان حضرات میں سے جن کی ضرورت محسوس ہو، ان کو جمع کر کے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے اور پھر علماء کی تصدیقات حاصل کر کے ان کو شائع کرے تا کہ عوام بھی انتشار میں مبتلا نہ ہوں اور علماء کو بھی زیر بحث مسئلے کے تمام پہلو سامنے آ جانے کے بعد صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے، اس کام کے لئے اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کسی خاص فن کی تحقیق ضروری ہوتو اس فن کے ماہرین کو بھی علماء کی مجلس میں جمع کر کے ان کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جائے، نیز مشکلات کے حل میں بحیثیت مجموعی کتاب وسنت اور پوری فقہ اسلامی کو بطور اساس سامنے رکھا جائے گا جیسا کہ ہر اسلامی دور میں ہوتا رہا ہے، سی طرح کوئی طبی مسئلہ ہوگا تو ماہرین فن اطباء اور ڈاکٹروں سے، اور سائنسی مسئلہ ہوتو ماہرین سائنس سے، علی ہذا دوسرے فنون کے ماہرین سے اس کے حل کرنے میں مدد لی جائے گی۔

۸- سر دست یہ اساسی شوری ''مجلس دعوت واصلاح'' مغربی پاکستان کے مندرجہ ذیل افراد سے تشکیل کی جاتی ہے:

۱- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

۲- حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

۴- حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک

۳- حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی

۵- حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرنوالہ

۶- حضرت مولانا امین حسن صاحب اصلاحی

۷- حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں شریف

طریق کار

۱- ملک کے جن حصوں میں اصلاح مفاسد کا کچھ کام ہو رہا ہے اس کو فروعی اور گروہی مسائل میں صرف کرنے کے بجائے مجمع علیہ منکرات اور الحاد و تحریف دین کے فتنوں کی طرف متوجہ کرنا اور ''پیغمبرانہ طریق دعوت'' کے اصول کو اپنانے کی دعوت دینا۔

۲- ملک کے عام علماء سے روابط پیدا کرنا اور ان کو مذکورہ بالا طریق پر کام کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

۳- خطبات جمعہ اور عام مجلس میں عوام کو ان فتنوں سے متنبہ کرنا اور ان میں فکر آخرت اور ان کا دینی شعور بیدار کرنا، خصوصاً نماز با جماعت کی پابندی اور ضروری علم دین سیکھنے اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کی دعوت دینا، اخلاق، معاملات اور اداء حقوق، اور اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کرنا، مسلمانوں کو مغرب کی مہنگی اور گندی معاشرت سے نجات دلانے کی جدوجہد کرنا۔

۴- دینی مدارس اور اداروں سے ارتباط پیدا کر کے ان کو مندرجہ ذیل امور کے لئے آمادہ کرنا:

الف: ضروریات دین اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کے مکاتب حسب استطاعت ہر محلہ میں قائم کرنا۔

ب: بڑی بڑی مساجد میں عوامی درس قرآن اور درس حدیث جاری کرنا۔

ج: مغربی تعلیم یافتہ حضرات کو دینی معلومات بہم پہنچانے اور تحریف دین کے دسائس سے آگاہ کرنے کے لئے شبینہ کلاسیں جاری کرنا اور خصوصی مجالس

میں ان موضوعات پر مذاکرے اور مباحثے منعقد کرنا۔

ھ: ناخواندہ عوام کو ضروریات دین سے واقف کرنے کے لئے عوامی شبینہ کلاسوں کا انتظام کرنا، جن میں ایسا نصاب پڑھایا جائے جو محدود وقت میں دین کی بنیادی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو۔

و: خطباء کی خصوصی تربیت کا انتظام کرنا تاکہ وہ بھی دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا کام مؤثر اور نتیجہ خیز طریق پر انجام دے سکیں۔

۵- تعلیم یافتہ اور مغربی تعلیم کے اداروں، حکمران طبقوں، تجارتی حلقوں، اخبارات وجرائد اور معاشرہ کے دوسرے عناصر کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی جانب توجہ کرنے کے لئے تحریر وتقریر کا خصوصی مجلسوں ملاقاتوں وغیرہ کے ذریعہ اہتمام وانصرام کرنا۔

فتنے اور شرور کی زیادتی

حضرت صادق ومصدوق سیدنا رسول اللہ ﷺ (فداہ أبی وأمّی) کا ارشاد گرامی ہے کہ خیر وسعادت کے تمام ابواب میں روز افزوں تنزّل ہی تنزّل ہے، صرف ''شر'' ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں برابر ترقی ہوتی جائے گی۔

حدیث کے الفاظ جو مسند احمد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

((كُلُّ شَيئٍ يَنْقُصُ اِلاَّ الشَّرُّ فَاِنَّهُ يُزَادُ فِيهِ))

ترجمہ: دنیا کی ہر چیز رو بہ تنزّل ہے، سوائے شر کے، کہ اس میں برابر اضافہ وترقی ہوتی رہے گی۔

صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، زبیر بن عدیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم کی شکایت کی تو فرمایا صبر کرو! میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ:

''تم پر جو زمانہ بھی آئندہ آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہوگا''۔

آج نقشۂ عالم کو سامنے رکھ کر دیکھئے! مرکزِ عالم (مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور حجاز مقدس) سے لے کر تمام عرب، تمام ایشیا، تمام یورپ اور امریکہ کے جس جس خطے پر نظر جاتی ہے وہ شرور وفتن کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو تھمتا نظر نہیں آتا، اضطراب وقلق، بے چینی و پریشانی اور حیرانی وسراسیمگی کا ایک کوہ آتش فشاں ہے جس کے عالمگیر شعلوں نے پورے عالم کے امن وسکون اور حقیقی مسرت کو خاکستر کر ڈالا ہے، فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں دینی وعلمی فتنے، ملکی وقومی فتنے، تہذیب وتمدّن کے فتنے، آرائش وآسائش کے فتنے، سرمایہ داری کے فتنے، غربت وافلاس کے فتنے، اخلاقی وسیاسی فتنے، دنیا کا کوئی گوشہ فتنوں کی یورش سے خالی نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام دنیا، آخرت فراموشی، دنیا طلبی اور خدا تعالیٰ کو بھول جانے کی سزا بھگت رہی ہے۔

﴿ وَ مَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى ﴾ [سورہ طٰہٰ]

ترجمہ: اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑے گا، پس یقینی طور پر اسے تنگ زندگی نصیب ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

شقاق ونفاق کی حد ہوگئی، جو مجاہدین قدس اور عمان کے محاذ پر اسرائیل سے نبرد آزما تھے ان کا رخ یہودیوں سے ہٹ کر اپنوں کی طرف مڑ گیا، باہم دست

وگریباں ہوکر ہزاروں نوجوان اپنوں کا نشانہ بن گئے اور ایک بڑی طاقت جو اعداءِ اسلام کے مقابلہ میں سینہ سپر تھی وہ خانہ جنگی کی نذر ہوگئی، اناللہ! اس سے بڑھ کر عبرت کی کیا خبر ہوگی؟ کہ ایک ہی ملک وملت اور ایک ہی قوم کے افراد کے باہمی نفاق وعناد کا جب یہ حال ہو تو ان سے دوسروں کے ساتھ خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے اس صورت حال سے امریکہ اور روس (خدا دشمن) فائدہ اٹھائیں گے ایک طاقت ایک فریق کو شہ دے گی اور دوسری دوسرے فریق کو ابھارے گی اور یوں مشرق وسطی کو ایک نیا ''ویت نام'' بنایا جائے گا، بچے مسلمانوں کے کٹ رہے ہیں، قوت مسلمانوں کی پامال ہورہی ہے، افسوس!

''آزما است کہ برما است''!

ان حالات میں کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ سوریہ، عراق اور مصر کے عرب متحد ہوکر اعداء اسلام کے سامنے سینہ سپر ہوسکیں گے بلکہ عرب ممالک میں خانہ جنگی کا ایک نیا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

سنا ہے کہ لیبیا سے جو امریکہ کا عظیم الشان ہوائی اڈہ اٹھایا جارہا ہے اسے سرزمین مقدس حجاز میں مکہ ومدینہ کے درمیان منتقل کیا جائے گا، اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس سے بڑھ کر دردناک صورت حال اور کیا ہوگی؟ نہ معلوم دورِ حاضر کے مسلمان سلاطین وحکام کی عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے ہیں کہ عواقب کا احساس ہی ختم ہوگیا ہے؟۔

فتنوں کی آماجگاہ عالم اسلام

خیر! یہ داستان تو جتنی دردناک ہے اس سے زیادہ طویل ہے، کہنا یہ ہے کہ تمام عالم اور عالمِ اسلام خصوصاً فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، اور یہ تشتت

(نظریاتی اختلاف) وافتراق کا فتنہ تو اتنا الم انگیز ہے کہ اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا (الا ماشاء اللہ) عوام وخواص، عالم وجاہل اور ملوک ورعایا سب میں سرایت کرگیا ہے، اتحاد واتفاق اور خدا تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے سچی محبت کرنا قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔

حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حاجی صاحب قطب العالم مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے:

''اتفاق کی جڑ تواضع ہےاور افتراق کی بنیاد تکبر ہے''۔

جب ہر شخص اپنی جگہ بقراط اور فرعون ہو تو اتحاد کہاں سے آئے؟۔

باہر کی دنیا کو جانے دیجئے! خود ہمارے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاسی جماعتوں میں جس طرح سر پھٹول اور رسہ کشی ہورہی ہے اس سے عقل حیران ہے، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا اور خدا کے بے گناہ بندوں کی طرف گھناؤنے فرضی افسانے منسوب کرنا، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا، سیاسی کارنامہ سمجھا جاتا ہے جن جماعتوں کے افراد کی اسلام دشمنی، روزِ روشن کی طرح عیاں ہے وہ بھی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے آپ کو سب سے زیادہ اسلام کا ہمدرد اور خیر خواہ ظاہر کررہے ہیں اور اپنے مخالفین کو نہ معلوم کیا کیا خطاب دے رہے ہیں؟ یہ تو ظاہر ہے کہ اس عالمِ کون وفساد کا خمیر ہی خیر وشر کے مرکب سے اٹھایا گیا ہے، دنیا کا مزاج خیر وشر کے امتزاج سے بنا ہے، دونوں کا سلسلہ چلا آیا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا لیکن ان دنوں شر اتنا غالب اور خیر اتنی مغلوب ہورہی ہے کہ عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

عالم اسلام کی کمزوری کا سبب اور علاج

یہ طاغوتی طاقتیں جو آج ہم پر مسلط ہیں اور عالم اسلام کی نکیل جدھر چاہتی ہیں موڑ دیتی ہیں یہ صرف اس لئے طاقت ور ہیں کہ ہم کمزور ہیں اور ہم اس لئے کمزور ہیں کہ ہمارا اعتماد خالق کائنات کو چھوڑ کر ناکارہ اور کمزور مخلوق پر رہ گیا ہے، بخدا! اگر اس قوی ذات سے ہمارا تعلق قوی ہو تو ہم آج بھی امریکہ وروس کا غرور قیصر وکسری کی طرح خاک میں ملا سکتے ہیں، ان کے ایٹم، ان کی سائنسی ترقی اور ان کے تمدنی کرّ وفر کی ساری عمارت آج بھی پیوند زمین ہوسکتی ہے، مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم خدا تعالی کی خاطر اپنی خواہشات ترک کردیں، اس کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا عہد وپیمان کریں اور اس کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی رضامندی وناراضگی کی پروانہ کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ ﷛ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے کوئی وصیت لکھ بھیجئے مگر زیادہ طویل نہ ہو، جواب میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے لکھا:

”سَلَامٌ عَلَیْکَ ! أَمَّا بَعْد : فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ ((مَنِ الْتَمَسَ رِضَی اللّٰہِ بِسَخَطِ النَّاسِ کَفَاہُ اللّٰہُ مُؤْنَۃَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَی النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰہِ وَکَّلَہُ اللّٰہُ اِلَی النَّاسِ)) وَالسَّلَامُ“۔ [ترمذی]

ترجمہ: السلام علیکم! اما بعد: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ جو شخص لوگوں کو ناراض کرکے اللہ کی رضامندی ڈھونڈتا ہے اللہ تعالی لوگوں

کے شر سے اس کی خود کفایت فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالی کو ناراض کر کے انسانوں کی رضامندی چاہتا ہے اللہ تعالی اسے انسانوں کے سپرد کر دیتے ہیں (اور ان ہی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے ہیں)۔

الغرض اگر مسلمانوں کا ایمان پختہ اور مضبوط ہو، حق تعالی سے ان کا تعلق صحیح ہو، اس کی ذات پر کامل بھروسہ اور یقین ہو، طاغوتی طاقتوں سے بیزار ہوکر وہ اپنے وسائل پر انحصار کریں اور کلمہ اسلام کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں تو حق تعالی کا وعدہ یقیناً پورا ہوگا، ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

ترجمہ: اور ہمارے ذمہ ہے مومنوں کی مدد کرنا۔

﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

ترجمہ: اور تم ہی اونچے رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو۔

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

ترجمہ: اور مدد تو صرف اللہ عزیز وحکیم کے پاس سے ملتی ہے۔

اگر مسلمان ان ارشادات ربانی کو سینے سے لگائیں، فسق وفجور کی متعفن زندگی چھوڑ کر توبہ وانابت کا راستہ اختیار کریں تو حق تعالی شانہ کی رحمتیں نازل ہوں گی اور راحت وسکون اور عزت وسربلندی کی بھی نعمتیں نصیب ہوں گی جن کا ظہور قرون اولی میں ہو چکا ہے، حق سبحانہ وتعالی ہمارے قلوب کی اصلاح فرمائیں، عالم اسلام کی حفاظت فرمائیں اور اسلام کے تمام بدخواہوں کو ذلیل وخوار کریں۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب آپس میں اختلاف

قرآن میں ایک جگہ قہر الٰہی کے نازل ہونے کی تین شکلیں ذکر کی گئیں

ہیں:

۱- آسمانی عذاب مثلاً پتھر برسنا۔

۲- زمینی عذاب مثلاً زلزلے آنا اور زمین میں دھنس جانا۔

۳- باہمی گروہ بندی، قتل وقتال اور جنگ وجدال، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ﴾

[الانعام: ٦٥]

ترجمہ: آپ کہیئے اس پر وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے سے لڑائی کا مزہ چکھا دے، آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جاویں۔

احادیث طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت پر پہلی دو قسم کے عام عذاب اس طرح نازل نہیں ہوں گے کہ بعض پہلی امتوں کی طرح یہ پوری امت نیست ونابود کر دی جائے، البتہ تیسری قسم کے عذاب میں یہ امت مبتلا ہوگی، چنانچہ آج یہ امت بالخصوص ہمارا ملک اس عذاب کی لپیٹ میں ہے، طبقاتی منافرت، صوبائی عصبیت اور لسانی منافرت کا دیو پوری قوم کو نگل رہا ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا

ہے، افراتفری اور بے اعتمادی کی بدبودار فضا میں دم گھٹ رہا ہے۔

جماعتوں میں اختلاف ایک فتنہ

دراصل عہد نبوت سے جتنا بعد ہوتا جائے گا خیر میں کمی ہوتی جائے گی، فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دورِ نبوت اور بعد کے زمانے کا فرق بیان کرتے ہوئے خلافت راشدہ کے دور میں فرما رہے ہیں کہ دنیا کی مثال ایسی ہے:

((كَالثَّغْبِ شُرِبَ صَفْوُهُ وَبَقِيَ كَدُرُهُ))

ترجمہ: جیسے وہ تالاب جس کا صاف اور نتھرا ہوا پانی لیا گیا ہو اور گدلا پانی باقی رہ گیا ہو۔

یہ جلیل القدر صحابی عہد عثمانی میں وفات پا چکے ہیں، اگر وہ جمل وصفین کے ہولناک مناظر دیکھ لیتے تو کیا فرماتے؟ اور خدانخواستہ ہماری حالت زار ان کے سامنے آتی تو ان کا کیا حال ہوتا؟ رائے اور ذوق کا اختلاف پہلے بزرگوں میں بھی رہا ہے لیکن بہتان طرازی، افتراء پردازی، سب وشتم اور لعن طعن کا جو طوفان اس دور میں برپا ہے وہ انتہائی دردناک ہے، موجودہ صورت حال نے جو شکل اختیار کر لی ہے اس سے نہ کسی کی عزت وحرمت باقی ہے نہ جان ومال محفوظ ہے، پوری امت کے خرمنِ امن وسکون کو آگ لگا دی گئی ہے، سب جانتے ہیں اور ہمیشہ سے یہ بات مسلم چلی آئی ہے کہ بعض دفعہ ایک انتہائی مخلص اور سراپا اخلاص شخصیت کی رائے بھی غلط ہو سکتی ہے، کسی مخلص کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صاحب الرائے بھی ہو، اس کے برعکس بعض دفعہ ایک غیر مخلص کی رائے صحیح بھی ہو سکتی ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہماری شریعت نے ''شوریٰ'' کا طریق تجویز کیا ہے، کہ جو قدم اٹھایا جائے

اہل صلاح اور اہل دانش کے مشورہ سے اٹھایا جائے، مگر افسوس ہے کہ خود غرضی اور نفسا نفسی کی کیفیت نے امت سے یہ نعمت بھی چھین لی ہے اور اس کے نتیجہ میں پوری امت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جماعت اپنی رائے پر اڑی ہوئی ہے اور جماعت کا ہر فرد اپنے کو عقلِ کل سمجھتا ہے جس سے آئے دن جماعتیں تقسیم ہو ہو کر جماعت در جماعت کا عمل جاری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فتنوں سے پناہ مانگتے تھے وہاں یہ دعا بھی فرماتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَۃً فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ))

ترجمہ: اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر اٹھالینا۔

فتنوں سے محفوظ رہنے کی دو صورتیں

فتنے سے محفوظ رہ کر دنیا سے رخصت ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- ایک تو یہ کہ اللہ تبارک وتعالی کسی کو فتنہ کے زمانے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھالے۔

۲- دوسری یہ کہ فتنوں کے باوجود اللہ تبارک وتعالی کسی پر اپنی رحمت فرمائے اور اسے فتنہ میں مبتلا کئے بغیر دنیا سے اٹھائے۔

ہمارے دور میں فتنے شروع ہو چکے ہیں (بلکہ ہم سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے) اس لئے پہلی صورت تو نہیں ہوسکتی، البتہ دوسری صورت ممکن ہے کہ آدمی ایسا طرز عمل اختیار کرے جس کے ذریعہ فتنوں سے محفوظ رہ سکے۔

اباحیت کا فتنہ

فوٹو اور تصویر کے فتنہ انگیز نتائج

اللہ تعالی رحم فرمائے قرب قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہو رہی ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوتی جا رہی ہے، ایک فتنہ تنہا بذات خود فتنہ ہوتا ہے اور ایک فتنہ مختلف فتنوں کو جنم دیتا ہے، مثلاً فوٹوگرافی کا فتنہ شروع ہوا، یہی کیا کم گناہ تھا کہ اس سے سینکڑوں فتنے پیدا ہوئے، حضرت حق جل شانہ کا علم ہر شی کو محیط ہے، اس کے علم میں ہے کہ فلاں فتنہ فلاں فلاں اسباب وذرائع سے ابھرے گا، اس بنا پر شریعت الہیہ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جو چیز کسی درجہ میں بھی معاصی اور گناہوں کا سبب بن سکتی ہو اس کو منع فرمائے، انسانی عقل بسا اوقات اپنے قصور علم اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی علت وحکمت کو محسوس نہیں کر سکتی، انسان بسا اوقات تعجب کرتا ہے کہ بظاہر اس معمولی بات کو اتنی سختی سے کیوں روکا گیا، لیکن بعد میں واقعات وشواہد سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شریعت الہیہ نے جو فیصلہ کیا تھا عین حکمت تھا، ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہوں گے، شریعت محمدی نے ابتدا ہی سے فرما دیا تھا کہ قیامت کے دن سخت

ترین عذاب صورت بنانے والوں کو ہوگا ، اور کبھی یہ فرمایا کہ ان سے کہا جائیگا کہ جوتم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور کہیں یہ فرمایا کہ صورت سازی حق تعالی کی خالقیت کی نقل کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام دین قیم ہے اس نے کفر وشرک ، بدعت وضلالت اور کج راہی وگمراہی کا ایک ایک کانٹا چن چن کر صاف کردیا ، تمام اولاد آدم کو ایک صاف ، سیدھا اور نکھرا ہوا ''صراط مستقیم'' عطا کیا جس پر چل کر وہ امن وامان اور راحت وعافیت کی زندگی بسر کرسکے اور مرنے کے بعد قرب ورضا اور جنت ونعیم کی وارث بنے ،قرآن میں ہے:

﴿تلک الدّار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون علوّا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتّقین﴾ |القصص:۸۳|

ترجمہ: ''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں سرکشی چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور اچھا انجام پرہیز گاروں ہی کے لیے ہے''۔

اسلام نے انسانیت کے اعمال واخلاق کے تزکیہ کے لیے شروفساد کے تمام راستوں کو مسدود کردیا ، شرک جو اسلام کی نظر میں سب سے بڑا ظلم ہے ، تاریخ شاہد ہے کہ وہ دنیا میں مجسموں مورتیوں اور تصویروں اور فوٹوؤں کے راستہ سے آیا تھا ، اس لیے اسلام نے اس منبع کفر وشرک کو حرام اور تصویر سازوں کو ملعون اور بد ترین خلق قرار دے کر اس راستہ کو بند کیا ، صحیحین میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال میں ایک دفعہ ازواج مطہرات آپ کے پاس جمع تھیں ، کسی

تقریب سے ''ماریہ'' نامی کنیسہ (گرجا) کا ذکر چھڑا، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کو چونکہ ہجرت حبشہ کے دوران اس کے حالات معلوم کرنے کا موقعہ ملا تھا ،اس لیے ان دونوں حضرات نے اس کے حسنِ تعمیر اور وہاں کی آراستہ تصویروں کا تذکرہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو سن رہے تھے، بستر علالت سے سر اٹھایا اور فرمایا:

''اولئک اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا بہ تلک الصور اولئک شرار خلق اللہ'' [مشکوۃ ص:٣٨٦]

ترجمہ: ''ان لوگوں میں جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہوجاتا یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنالیتے، پھر ان تصویروں سے اسے آراستہ کرلیتے تھے، یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین قسم کے لوگ ہیں''۔

ایک حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تھے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے میں نے گھر میں ایک طاقچہ پر کپڑے کا پردہ لٹکا دیا تھا، جس میں تصویریں بنی تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو چہرۂ انور پر غضب کے آثار نمودار ہوئے اور نہایت نفرت کے لہجہ میں فرمایا:

''یا عائشۃ انّ أشدّ الناس عذابا عند اللّٰہ یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللّٰہ''

[صحیح مسلم ج:٢ص:٢٠١]

ترجمہ: ''عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت

عذاب کے مستحق یہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں مقابلہ کرتے ہیں''۔

صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث میں ہے:

''انّ أشدّ الناس عذابا یوم القیامة المصوّرون'' [صحیح مسلم ج:۲ص:۲۰۱]

ترجمہ: یقیناً سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق قیامت کے دن تصویر ساز ہوں گے۔

اور صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں بہت سی احادیث صحیحہ مبارکہ موجود ہیں جو جاندار چیزوں کی تصویر سازی کی حرمت اور ملعونیت کو بیان کرتی ہیں اور تمام فقہائے امت نے متفقہ طور پر جاندار چیزوں کی تصاویر کو حرام قرار دیا ہے۔

بدقسمتی سے عالم اسلام کی زمام قیادت کافی عرصہ سے ناخدا شناس تہذیبوں اور بددین قوموں کے ہاتھ میں ہے، جن کے یہاں (الا ماشاء اللہ) دین و دیانت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور شرم و حیا، عفت و عصمت، غیرت و حمیت کا لفظ ان کی لغت سے خارج ہے، ان کے نزدیک فکر وفن اور دغا وفریب کا نام ''سیاست'' ہے، انسانیت کشی کے اسباب ووسائل کا نام ''ترقی'' ہے، فواحش ومنکرات کا نام ''آرٹ'' ہے، مرد و زن کے غیر فطری اختلاط کا نام ''روشن خیالی'' اور ''خوش اخلاقی'' ہے، پردہ دری اور عریانی کا نام ''ثقافت'' ہے اور پس ماندہ ممالک ان کی اندھی تقلید اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں، اس لیے آج سارے عالم میں فتنوں کا دور دورہ ہے، اور شاید یہ دجالِ اکبر کے دجالی فتنہ کی تیاری ہورہی ہو، خصوصاً عالم اسلام ہر معصیت، ہر فتنہ اور ہر برائی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آئے دن کے ان ہزاروں فتنوں میں ایک ''فوٹو'' کا فتنہ ہے، جہاں دیکھیں فوٹو گرافر موجود ہیں، دعوت وضیافت ہو یا مجلسِ نکاح، اجلاس عام ہو یا پرائیوٹ اجتماع، ہر جگہ

فوٹوگرافر موجود ہوگا اور کیمرہ سامنے، اس معصیت نے وبائی فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے، جس سے بچنا دشوار ہوگیا ہے، کوئی بالارادہ بچنا بھی چاہے، تب بھی اسے معاف نہیں کیا جاتا، بے خبری میں اس کا فوٹو بھی لے لیا جاتا ہے اور دوسرے دن اخبارات کے صفحات پر دنیا کے سامنے پیش بھی کردیا جاتا ہے، آج ان فوٹوگرافروں، کیمرہ بازوں اور اخبار نویسوں کے طفیل عریاں غلاظت کے انبار ہمارے گھروں میں داخل ہورہے ہیں اور اس سے پورا معاشرہ متأثر، بلکہ متعفن ہورہا ہے، مگر حیف ہے کہ اس پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں، ستم یہ کہ اس عمومی اور عالم گیر صورت نے عام طبقہ کے ذہن سے یہ خیال ہی ختم کردیا ہے کہ یہ بھی کوئی ناجائز کام یا معصیت اور گناہ ہے، کیونکہ برائی کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ عام ہوجاتی ہے اور اس پر گرفت کا بندھن ڈھیلا ہوجاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی نفرت وحقارت دلوں سے نکلتی جاتی ہے اور قلوب مسخ ہوتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک جاپہنچتی ہے کہ وہ [برائی] معیار شرافت بن جاتی ہے:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مزاج

اور اسی کو کج نظر اور غلط پندار لوگ ''انسانی قدروں کی تبدیلی'' سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جب تک انسان، انسان ہے اور اس کی انسانیت باقی ہے، تب تک کسی ''انسانی قدر'' کے بدل جانے کا تصور ہی غلط ہے، ہاں! انسان نما جانور، انسان ہی نہ رہیں کسی اور نوع میں تبدیل ہوجائیں تو دوسری بات ہے۔

چند دن ہوئے ایک عالم کے یہاں خصوصی دعوت تھی، وہاں دو ایک مشہور شخصیتیں بھی مدعو تھیں اور خصوصی مہمان بھی تشریف فرما تھے، راقم الحروف کو بھی

شرکت کی نوبت آئی اور سوءِ اتفاق سے مجھے ان ہی کے ساتھ بٹھا دیا گیا، یہ تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک عالم کے مکان پر خصوصی دعوت میں فوٹو گرافر کیمرہ لے کر آموجود ہوگا، جب فوٹو گرافر سامنے آیا تو راقم الحروف نے سختی سے روکا اور ایک دوسرے عالم نے بھی شدید نکیر فرمائی، اطمینان ہوا کہ فتنہ ٹل گیا، لیکن کچھ وقفے کے بعد دوبارہ کسی قدر فاصلہ پر دروازہ پر کھڑا دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے ہماری بے خبری اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر اپنا ارادہ پورا کرلیا، اگلے دن ''جنگ'' کے صفحات پر تین اشخاص کا جن میں ایک راقم الحروف تھا فوٹو آ گیا اور ستم ظریفی یہ کہ نیچے یہ عبارت لکھ دی، ''گروپ فوٹو'' انا للہ۔

تصویر سازی کی حرمت پر امت کا اجماع

حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو شدید وعید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے اور تمام امت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے، لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کردیا، اس ''فتنۂ اباحیت'' کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا، چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد نجیت مطیعی نے جو شیخ الازہر بھی تھے "اباحة الصور الفوتوغرافية" کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا ،جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتوی دیا تھا، اس وقت عام علماء مصر نے ان کے فتوی کی مخالفت کی، حتی کہ ان کے ایک شاگردِ رشید علامہ شیخ مصطفیٰ حمامی نے اپنی کتاب "النهضة الاصلاحية للأسرة الاسلامية" میں اس پر شدید تنقید کی اور اس کتاب میں صفحہ ۲۶۰ سے صفحہ ۲۶۸ اور صفحہ ۳۱۰ سے صفحہ ۳۲۸ تک اس پر بڑا

بلیغ رد لکھا، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں :

''تمام امت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے تمام امت کے لیے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا''۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے قلم سے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک طویل مقالہ شیخ مطیعی کے رسالہ کی روشنی میں نکلا، اس وقت امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور اس مضمون سے واقف ہوئے تو آپ کی تحریک پر آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے ماہنامہ ''القاسم'' میں (جو دار العلوم دیوبند کا ماہنامہ تھا) اس پر تردیدی مقالہ شائع فرمایا، وہ مقالہ حضرت شیخ کشمیری رحمہ اللہ کی راہنمائی میں مرتب ہوا، جسے بعد میں ''التصویر لاحکام التصاویر'' کے نام سے حضرت مفتی صاحب نے شائع فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ حضرت سید [سلیمان ندویؒ] صاحب موصوف مرحوم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں جبکہ آپ کی عمر مبارک ساٹھ تک پہنچ چکی تھی ،جن چند مسائل سے رجوع فرمالیا تھا ان میں فوٹو کے جواز کا مسئلہ سے بھی رجوع فرمایا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد جیسے '' آزاد'' صاحب قلم نے اگرچہ ذوالقرنین کو سائرس بنا کر اس کے مجسمہ کا فوٹو [اپنی تفسیر] ''ترجمان القرآن'' میں شائع کیا تھا ،لیکن بعد میں اسے ''ترجمان القرآن'' کے تمام نسخوں سے نکال کر تصویر کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

الغرض نہ صرف ہمارے اکابر بلکہ تمام فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ فوٹو حرام ہے، البتہ پاسپورٹ وغیرہ ضروریات کے لیے نصف چھوٹے فوٹو کو اس

سے مستثنیٰ کرنا ہوگا، اس کا گناہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جن کی طرف سے یہ مجبوریاں عائد کی گئیں ہیں، اس لیے یہ واضح رہے کہ میرا مسلک یہی ہے کہ فوٹو بلا ان خاص ضرورتوں کے ناجائز اور حرام ہے، اگر میری بے خبری میں، چالاکی سے کسی نے فوٹو لے لیا تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے، اگرچہ اس ملعون فن سے اسلامی معاشرہ میں نفرت عام نہیں رہی، ناواقف عوام اسے معمولی اور ہلکی چیز سمجھنے لگے ہیں اور کچھ لوگ تو اس کے جواز کے لیے بھی حیلے بہانے تراشنے لگے ہیں، لیکن کون نہیں جانتا کہ کسی معصیت کے عام ہونے یا عوام میں رائج ہونے سے وہ معصیت ختم نہیں ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو جب حرام قرار دے دیا تو اس کے بعد خواہ سو بہانے کیے جائیں، مگر اس کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، آج کل سود، بیمہ اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں جنہیں مغربی تہذیب وتمدن کی بد دینی نے جنم دیا ہے ہمارے جدید تمدن میں گھس آئی ہیں اور اب پوری طرح ان کا رواج ہے، لیکن کون مسلمان ہوگا جو یہ کہنے کی جرأت کرے کہ یہ سب جائز ہیں؟ ہاں! یہ ممکن ہے کہ گناہ میں عموم بلوی کی وجہ سے آخرت کی سزا میں کچھ تھوڑی بہت تخفیف ہو جائے، اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔......

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے قرب قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہو رہی ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوتی جارہی ہے، ایک فتنہ تنہا بذات خود فتنہ ہوتا ہے اور ایک فتنہ مختلف فتنوں کو جنم دیتا ہے مثلاً فوٹوگرافی کا فتنہ شروع ہوا، یہی کم گناہ تھا کہ اس سے سینکڑوں فتنے پیدا ہوئے، حضرت حق جل شانہ کا علم ہر شی کو محیط ہے، اس کے علم میں یہ ہے کہ فلاں فتنہ فلاں فلاں اسباب وذرائع سے ابھرے گا، اس بنا پر شریعت الہیہ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جو چیز

کسی درجہ میں بھی معاصی اور گناہوں کا سبب بن سکتی ہو اس کو منع فرمائے ، انسانی عقل بسا اوقات اپنے قصور علم اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی علت وحکمت کو محسوس نہیں کر سکتی ، انسان بسا اوقات تعجب کرتا ہے کہ بظاہر اس معمولی بات کو اتنی سختی سے کیوں روکا گیا ؟ لیکن بعد میں واقعات وشواہد سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شریعت الہیہ نے جو فیصلہ کیا تھا عین حکمت تھا ، ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہوں گے شریعت محمدیہ نے ابتدا ہی سے فرما دیا تھا:

"ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون"

ترجمہ: یعنی سخت عذاب قیامت کے دن صورت بنانے والوں کا ہوگا۔

اور کبھی یہ فرمایا کہ ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور کہیں یہ فرمایا کہ صورت سازی حق تعالی کی خالقیت کی نقل کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔

تصویر کے معاملہ میں شریعت محمدیہ کی سختی کی وجہ

تصویر کے معاملہ میں اس شدت کی بنیاد درحقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی حق تعالی کی وحدانیت کا بدل وجان اقرار کرنا خواہ توحید ذات الہی کی ہو یا توحید صفات الہی کی ہو یا توحید افعال الہی کی ہو ، اسلام میں کسی قسم کا شرک قابلِ برداشت نہیں ، اس لیے ابتدا ہی سے شریعت نے تمام اسباب شرک پر جن میں تصویر بھی شامل ہے ، شدید پابندی لگا دی ، اسی لیے میں نے کہا کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہ تھا ، لیکن اس وقت جب کہ حق تعالی نے حضرت رسول اللہ ﷺ کی

زبان مبارک کے ذریعہ یہ اعلان کرایا تھا اور یہ احکام نازل فرمائے تھے، خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ آئندہ چل کر یہ فتنہ کتنے عظیم الشان فتنوں کا ذریعہ بنے گا۔

تصویر اور اس کے گندے اور فتنہ انگیز نتائج

آج اسی مصوری کی وجہ سے حسن و جمال کی نمائش ہوتی ہے اور اسی تصویر سازی کی وجہ سے بے حیا قوموں کی عورتوں کے عریاں فوٹو، بداخلاقی، بداطواری اور خدا فراموش زندگی کا ذریعہ بن چکے ہیں، یہی لعنت شہوانی وحیوانی جذبات بھڑکانے کا سبب ہے، اسی لعنت کی وجہ سے کتنے معصوموں کا خون بہہ رہا ہے اور کتنی جانیں تلف ہو رہی ہیں اور خودکشی کی کتنی وارداتیں ہو رہی ہیں، تھیٹر اور سینما کے پردوں پر اسی مصوری کی وجہ سے بے حیائی کے مظاہر اور روح فرسا مناظر سامنے آرہے ہیں، اسی فتنہ کی وجہ سے نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے نہ تہمت تراشی سے کوئی بچ سکتا ہے، کسی کا سر اور کسی کا دھڑ لے کر جو چاہے کرشمہ سازی دکھلائے، کسی کو بدنام کرنا ہو، اس کے بالائی بدن کی صورت لے کر کسی طوائف کے عریاں فوٹو میں پیوند لگا کر جو چاہے کر لیجیے، آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ایک بڑی قوی اسلامی مملکت کی تباہی و بربادی اور اس کے حکمران کی جلاوطنی میں یہی فتنہ ایک مؤثر عامل ثابت ہوا ہے، اس قسم کی عریاں تصویروں کے ذریعہ ملک میں ان کی بداخلاقی و بے حیائی و بے دینی کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور بدنامی کی انتہا کردی گئی اور آخر تخت و تاج سے محرومی کا باعث بنا، افسوس کہ واقعہ کی پوری تفصیل سے معذور ہوں، الغرض اس فتنے کے کرشموں سے نہ دین محفوظ ہے نہ اخلاق، نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ کسی کا ایمان، نہ آبرو محفوظ ہے نہ کسی کی عصمت، فواحش ومنکرات کی اشاعت میں مصوری کا اتنا بڑا

دخل ہے کہ اسی کی وجہ سے تقویٰ وطہارت و پاکیزہ زندگی کی بنیادیں ہل گئیں، لیکن آج کل کی اصطلاح میں یہ ثقافت اور آرٹ ہے، اور غضب یہ کہ اس کو ''اسلامی آرٹ'' کا نام دیا جاتا ہے:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

تھیٹر سینما اور یہ فلمیں جن سے آج معاشرہ ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا ہے، یہ تمام اسی مصوری کی بدولت ہے اور یہ فتنہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ مسجدیں جو خالص عبادت گاہیں ہیں، وہ بھی اس سے محفوظ نہیں، نکاح کی محفلوں سے مقامات مقدسہ تک، ہر جگہ یہ فتنہ پہنچ گیا ہے، بعض وہ حکومتیں جو اسلامی قانون جاری کرنے کی مدعی ہیں اور وہ جن کا دعویٰ اتباع سنت ہے، ان کے ہاں یہ فتنہ اس قدر شباب پر ہے اور آب وتاب سے ہے کہ الامان والحفیظ! بہر حال یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہوگیا ہے کہ نہ مسجد بچی نہ مدرسہ، نہ اسلامی ملک بچا نہ صالح مسلمان بچے۔......

دینی اور ایمانی غیرت

غالبا مارچ ۱۹۷۰ء میں راقم الحروف پاکستانی مندوب کی حیثیت سے ''مجمع البحوث الاسلامیۃ'' کی پانچویں کانفرنس میں شرکت کے لیے قاہرہ گیا تھا، کانفرنس کے اختتام پر سابق صدر جمال عبدالناصر مرحوم نے گورنمنٹ ہاؤس میں مندوبین کو ملاقات کی دعوت دی جس شاہانہ کروفر کا مظاہرہ ہوا اور جو بظاہر مصری حکومت کا خصوصی امتیاز ہے یہاں اس کا ذکر مقصود نہیں، ترتیب کے مطابق ہر شخص ملاقات کے لیے جاتا مصافحہ کرتا اور اسے کچھ کہنے کی خواہش ہوتی تو دو چار باتیں بھی کر لیتا، ملاقات اور مصافحہ کے بعد صدر مرحوم نے مندوبین کے اعزاز کے لیے

فوٹو گرافر کو حکم دیا کہ ہر مندوب کا ان کے ساتھ الگ فوٹو لیا جائے۔

آج کل جلسوں کانفرنسوں اور عام اجتماعات میں فوٹو اتارنے کا مرض وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے، یہ فتنہ اتنا عام ہوگا کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بچنا چاہے نہیں بچ سکتا، پھر یہ معصیت اتنی پھیل گئی ہے کہ لوگ اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے، دور فتنہ نے معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا ڈالا، گناہوں کی گندگی سے قلب و ذہن مسخ ہو گئے اور کتنے ہی گناہ معاشرے میں ایسے رچ بس گئے کہ لوگوں کے دلوں سے گناہ کا تصور وادراک ہی ختم ہو گیا۔

خیر! عرض یہ کرنا ہے کہ صدر مرحوم کی طرف سے جب اس خواہش کی تکمیل کا اظہار ہوا تو اس عزت افزائی پر عام مندوبین خصوصا عرب مندوبین کو بڑی خوشی ہوئی کہ جمال عبد الناصر کے ساتھ ہمارا یادگار فوٹو لیا جائے گا، ہر ایک نے باری باری صدر کی بائیں جانب کھڑے ہو کر فوٹو کھنچوائے، میں کوئی اتنا صالح ومتقی اور پارسا نہیں ہوں کہ ایسے موقعوں میں بھی ان معصیتوں سے بچ سکوں، چنانچہ عام مجمعوں میں بہر حال فوٹو گرافر فوٹو لیتے رہے تھے، لیکن صدر کے ساتھ خصوصی فوٹو اتروانے کے لیے میری باری آنے لگی تو صف سے نکل کر اندر جا کر کرسی پر بیٹھ گیا، اتفاق سے صدر میرے سامنے تھے اور مجھے خوب دیکھ رہے تھے، جب میری باری آئی تو صدر نے دواز ہری علماء سے جو اس وقت ان کے سامنے تھے کہا کہ جاؤ اور پاکستانی شیخ (عالم) کو بلا لاؤ کہ وہ آ کر فوٹو کھنچوائے، الحمد للہ! اس وقت میری دینی غیرت جوش میں آئی، دل نے کہا آج اپنے اکابر کے مسلک پر جمے رہو اور اس اعزاز کو ٹھکرا دو، آج اس حدیث نبوی پر عمل کرنا ضروری ہے:

''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق انما الطاعة فی معروف''

ترجمہ: یعنی معصیت میں کسی امیر کی اطاعت جائز نہیں، امیر کی اطاعت بس جائز امور میں ہے۔

جب ان دونوں حضرات نے مجھ سے کہا:

"سيادة الرئيس يدعوک لاخذ الصورة معه"

جناب صدر آپ کو اپنے ساتھ فوٹو بنوانے کے لیے بلاتے ہیں!

میں نے عرض کیا:

"لا احب ذلک وليست للصورة عندی قيمة دينية فلا احبها"

میں اسے درست نہیں سمجھتا، نہ میرے نزدیک اس کی کوئی دینی قدر و قیمت ہے۔

وہ دونوں گئے اور صدر سے میرا عذر بیان کر دیا ان کے الفاظ میں نہیں سن سکا کہ میری ترجمانی انہوں نے کس انداز میں کی، رخصت ہوتے ہوئے دوبارہ مصافحہ کا دستور نہیں تھا لیکن میں عملی معذرت کے بجائے رخصت ہونے کے لیے دوبارہ صدر کے پاس گیا اور جی میں آئی کہ آج موقعہ ملا ہے، پھر خدا جانے موقعہ ملے گا یا نہیں؟ اس لیے آج ان سے کلمۂ خیر کہہ دینا چاہیے، چنانچہ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے صدر سے کہا:

> جناب صدر! اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں بڑا قوی دل رکھا ہے اور یہ ایک بڑی نعمت ہے جو آپ کو عنایت ہوئی، میری آرزو اور خواہش یہ ہے کہ اس قوی دل کا تعلق اس قوی ذات سے ہونا چاہیے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام قوتیں جس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

میرے عربی الفاظ یہ تھے:

"سيادة الرئيس ! ان الله سبحانه و تعالى قد منحک قلبا قويا بين حنايا ضلوعک فارجوا ان يكون لهذا القلب القوى رابطة قوية مع الخالق القوى الذى بيده ملكوت كل شيئ"

صدر نے مسکراتے ہوئے میرا جملہ غور سے سنا اور قدرے زور سے مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھ کو ذرا جھٹکا دیا جیسا کہ خوشی کے موقعہ پر ایسا کیا جاتا ہے، صدر مرحوم سے میری آخری ملاقات تھی جو اس نصیحت پر ختم ہوئی۔

تصویر سازی اور اسلام

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی نظر میں تصویر سازی نہ صرف قبیح اور حرام ہے بلکہ لعنت اور غضب خداوندی کی مستوجب ہے، تصویر بنانے والے کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ان اشد الناس عذابا يوم القيامة المصوّرون"

یعنی وہ قیامت کے سب سے سخت تر اور بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جس مکان میں تصویریں ہوں، اس پر خدا کی لعنت آئی، فرشتوں کو تصویروں سے بھی اسی طرح نفرت آتی ہے جس طرح کتے سے نفرت ہے، کیا ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے کسی فلم کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ کیا فلموں کی ترویج و تشہیر پوری قوم پر خدا کے غضب و لعنت کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟

انبیاء اور پیغمبر کی تصاویر اور فلم

پھراس سے بڑھ کر جسارت کیا ہوسکتی ہے کہ عہد نبوت اور عہد اسلام کی پاک اور روحانی زندگیوں کو تصویروں کے ذریعہ فلمایا جائے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت قرار دیا ہو آپ کے پاکیزہ دور کو اس لعنت میں ملوث کیا جائے؟ کیا اللہ اور رسول کے نزدیک یہ ناپاک جسارت بھی قابل برداشت ہوسکتی ہے؟ کیا مسلمانوں میں اتنی ایمانی حس بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کم از کم نبوت کے پاکیزہ دور کو اس نجاست سے محفوظ رکھتے؟

مزید برآں یہ کہ یہاں صورت یہ نہیں کہ جو واقعات پیش آئے ہو بہو انہی کا عکس لے لیا گیا ہو بلکہ یہاں جو صحیح صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ دور نبوت کے واقعات کا مصنوعی سوانگ بنایا گیا ہے، کچھ بہروپیوں نے خاکم بدہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پارٹ ادا کیا، کسی نے صحابہ وصحابیات کے مقدس اشخاص کا، کسی نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا، پھران مصنوعی ڈراموں کی عکس بندی کرکے فلم تیار کی گئی اوراسے پردۂ اسکرین پرلایا گیا، اب اگر کسی مسلمان میں ایمان کی کوئی رمق اور غیرت کی ادنی حس موجود ہو کیا وہ ایک لمحہ کے لیے برداشت کرے گا کہ وہ لوگ جن کا وجود ہی گندگی اور بے حیائی کا نشان ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے مقدس صحابہ وصحابیات کی شبیہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ادا کردہ پارٹ کو ان مقدس ہستیوں سے منسوب کیا جائے؟ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی تذلیل وتوہین کیا ہوسکتی ہے پھر جن لوگوں نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کی کافرانہ حرکات کی نقل کی ہوگی اور صحابہ وصحابیات کو

ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہوگا کیا وہ مسلمان بھی رہیں گے؟ اور ان کے وہ تماشائی جو اس تماشہ کفر کو تفریح طبع کا سامان کرتے ہیں ان کا اسلام محفوظ رہ جائے گا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ڈراموں میں بہت سی حرکات وسکنات اور بہت سے الفاظ وکلمات ایسے آئیں گے جن کو حقیقت کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہوگا، اس صورت میں ان مصنوعی واقعات کو حقیقی قرار دینا بدترین قسم کا جھوٹ اور افتراء ہوگا، جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار"

ترجمہ: جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنائے۔

امریکی اور مغربی اخبارات ورسائل میں جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصاویر شائع ہوتی ہیں آئے دن ہمارے اخبارات میں ان پر احتجاج ہوتا رہتا ہے اور مسلمانوں میں ایک کہرام مچ جاتا ہے، کیا اس قسم کی فلموں کے بعد مسلمانوں میں یہ حمیت باقی رہے گی کہ وہ اعدائے اسلام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں؟ جب مسلمان خود دورِ نبوت کی فلمیں بنانے سے نہیں شرماتے تو وہ کس منہ سے غیروں کو روکنے کی جرأت کریں گے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد اعدائے اسلام نہ صرف ان مقدس ہستیوں کی فرضی تصویریں کھلے بندوں شائع کرنے لگیں گے بلکہ آپ کی حیات طیبہ پر محض فرضی فلمیں وجود میں آنا شروع ہوں گی اور جس طرح اب تک مستشرقین آپ کی سیرت طیبہ کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی جسارت کرتے رہے ہیں آئندہ نہایت گھناؤنے انداز میں آپ کو پردہ فلم پر دکھایا جائے گا اور یہ نام نہاد مسلمان جنہوں نے خود اس بدعت کو جنم دیا ان کفار کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اب تک کافر قومیں صرف مسلمانوں کے احترام میں اس سے ہچکچاتی رہی ہیں،

مسلمانوں کو شرم آنی چاہیے کہ جو کام کافر قومیں سرانجام نہیں دے سکیں اس مکروہ اور گندے کام کا آغاز خود ان کے ہاتھوں ہو رہا ہے، اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ کیا لہو ولعب اور تفریح وتماشے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کی ذات گرامی ہی رہ گئی تھی؟ کیا کوئی دیوث اور بے غیرت شخص بھی یہ گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے ماں باپ اور بہو بیٹیوں کا سوانگ بھرا جائے اور لوگ اس کا تماشہ دیکھیں؟ پھر آخر اس مشق ستم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وصحابیات کی ذوات قدسیہ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ کیا ان کا احترام ہماری ماؤں اور بہنوں سے بھی کم ہے؟!! منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتار کر ہنسی مذاق کیا کرتے تھے اور ان سے جب احتجاج کی اجاتا تو جواب دیتے کہ ہم تو یوں ہی دل لگی اور تفریح کر رہے تھے، قرآن کریم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿لا تعتذرو قد کفرتم بعد ایمانکم﴾

ترجمہ: بہانے نہ بناؤ، تم نے دعوی ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی یا اسلام کی کسی بات کو ہنسی دل لگی اور تفریح طبع کا موضوع بنانا کیسا ہے؟ اس کو وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جس کا دل دین وایمان سے خالی ہوچکا ہو، ان گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اول: اسلام میں تصویر سازی حرام اور موجب لعنت ہے۔

دوم: اس حرام اور ملعون چیز سے دور نبوت کو ملوث کرنا نہایت ناپاک جسارت اور ان بزرگوں کی توہین ہے۔

سوم: واقعات کے بہت سے اجزاء و مکالمات فرضی ہوں گے جو کذب وافتراء علی الرسول ہے۔

چہارم: ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا پارٹ ادا کرنا شرمناک بات ہے۔

پنجم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مقدس زندگی کو لہولعب اور تفریح کا موضوع بنانا شعبہ کفر ہے۔

ششم: ایسی فلموں سے غیر مسلموں کے لیے فرضی تصاویر اور من گھڑت واقعات پر مبنی فلمیں بنا کر دور نبوت کی جانب منسوب کرنے کا دروازہ کھل جائے گا جس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔

اگر یہود و نصاری اور منافقین اسلام کی ان مکروہ سازشوں سے اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ قلوب مسخ ہو چکے ہیں اور عنقریب اللہ تعالی کی جانب سے رسوا کن عذاب در عذاب میں یہ قوم مبتلا ہونے والی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فتنوں سے حفاظت کا مختصر دستور العمل

بہت سے مخلصین کے خطوط آرہے ہیں کہ ہمیں فتنوں کی اس موجودہ فضا میں کیا کرنا چاہیئے؟ اس لئے فتنوں سے حفاظت کا ایک مختصر دستور العمل عرض کیا جاتا ہے۔

اول: شورائیت

کسی بھی قسم کا دینی یا سیاسی قدم اٹھائیں تو اہل خیر وصلاح اور اہل دانش وخرد سے مشورہ کئے بغیر نہ اٹھائیں اور اہل شوریٰ میں سے ہر شخص نہایت اخلاص کے ساتھ فی ما بینہ وبین اللہ اپنا مشورہ دے، اپنی بات منوانے کی فکر نہ کرے، نہ اپنی رائے پر خواہ مخواہ کا اصرار کرے، اگر صحیح اسلامی شوریٰ پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ بہت سی گمراہیوں اور فتنوں کا سد باب ہوسکتا ہے، ان سب میں بڑا فتنہ عجب اور اعجاب بالرأی کا ہے، الغرض مخلصین کے لئے لازم ہے کہ اپنی رائے پر اصرار نہ کریں، بلکہ اپنی رائے کو متہم سمجھیں مبادا اس میں نفس وشیطان کا کوئی خفی کید چھپا ہوا ہو۔

دوم: اعتدال پسندی

اگر پوری کوشش کے باوجود سب کی رائے متفق نہ ہو سکے اور اہل حق کی دو جماعتیں وجود میں آ ہی جائیں تو ہر جماعت اپنے کو قطعی حق پر اور دوسرے کو قطعی باطل پر نہ سمجھے، زیادہ سے زیادہ جس بات کی گنجائش ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے مؤقف کو ''صواب محتمل خطاء'' اور دوسرے کے مؤقف کو ''خطاء محتمل صواب'' سمجھے اور دونوں طرف سے برابر یہ خواہش رہنی چاہیئے اور کوشش بھی کہ تمام اہل حق ایک کلمہ پر متفق ہو جائیں۔

سوم: حکایات وشکایات سے احتراز

آج کل پروپیگنڈے کا دور ہے، پروپیگنڈے کے کرشمہ سے رائی کو پربت اور تنکے کو شہتیر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، غلط افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیلا کر ایک دوسرے کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو شخص اس فتنہ سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ جب تک کسی حکایت وشکایت کے صحیح ہونے کا پورا وثوق نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر کان نہ دھرے نہ اس پر کوئی کاروائی کرے، امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے شکایت کی کہ ''ابن ملجم آپ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا ہے اور قتل کی دھمکیاں دیتا ہے آپ اسے قتل کروا دیجئے'' فرمایا:

''کیا میں اپنے قاتل کو قتل کر دوں''؟

یعنی میں قاتل بن جاؤں؟ اس طرح اس قسم کی حکایات وشکایات کو نقل کرنا بھی امت کو فتنے میں ڈالنا ہے، آنحضرت ﷺ نے امت کو اسی قسم کے فتنوں

کے بارے میں ہدایت فرمائی تھی جو سنن ابوداود میں ہے کہ:

((ستکون فتن ، القاعد فیھا خیر من القائم ، والقائم فیھا خیر من الماشی ، والماشی فیھا خیر من الساعی))

ترجمہ: بہت سے فتنے ہوں گے، ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والا سے بہتر ہوگا۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

((النائم فیھا خیر من الیقظان والیقظان فیھا خیر من القائم))

ترجمہ: جو ان فتنوں میں سو رہا ہوگا وہ جاگنے والے سے بہتر ہوگا اور جو جاگ رہا ہوگا وہ اٹھنے والے سے بہتر ہوگا۔

ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئیے کہ میرے کسی قول وعمل سے امت کے درمیان افتراق کی خلیج وسیع نہ ہو، نیز اہل حق کو اس بات سے چوکنا رہنا چاہئیے کہ اہل باطل ان کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر اپنا الّو سیدھا نہ کرسکیں، جب اہل حق آپس ہی میں لڑنے لگتے ہیں تو اہل باطل کے لئے میدان صاف ہو جاتا ہے، اس لئے اہل حق کو اہل باطل کے ہاتھ کا کھلونا نہیں بننا چاہئیے، کہ جوش میں اپنوں ہی کو بدنام کرنے لگیں، افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مرض یہی ہے کہ اپنوں سے بدگمانی رکھیں گے اور حق تعالیٰ کے نام پر اہل حق سے لڑیں گے لیکن اہل باطل کے ساتھ مسامحت اور رواداری برتی جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔

چہارم: اکرم واحترامِ مسلم

ایک مسلمان اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اکرام واحترام کا مستحق ہے اور ہماری باہمی رنجشوں سے اس کے احترام کا حکم منسوخ نہیں ہو جاتا، سنن ابوداود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

((اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَیْرَ الْغَالِیْ فِیْہِ وَالْجَافِیْ عَنْہُ، وَاِکْرَامَ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ)) [مشکوۃ صـ٤٢٣]

ترجمہ: تین چیزیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں داخل ہیں:

۱- سفید ریش مسلمان کی عزت کرنا۔

۲- حاملِ قرآن کی عزت کرنا جو نہ قرآن میں غلو کرے نہ بے پروائی کرے۔

۳- اور عادل حاکم کی عزت کرنا۔

بہرحال اختلاف کی بنا پر کسی بھی مسلمان کی ہتک عزت جائز نہیں اور خاص طور پر علمائے دین کی بے حرمتی کرنا تو بہت ہی بری بات ہے کوئی مخلص عالم دین ایک رائے رکھتا ہو تو اس پر سبّ وشتم کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقام کا نہایت خطرہ ہے، ایسا شخص مخذول (نصرت الٰہی کا نا اہل) اور بے توفیق ہو جاتا ہے اور ایمان کی سلامتی مشکل ہو جاتی ہے۔

پنجم: استخارہ کرنا

دورِ حاضر میں امت کا شیرازہ جس بری طرح سے بکھر گیا ہے، مستقبل قریب میں اس کی شیرازہ بندی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، جب استشارے کا راستہ

بند ہو گیا تو اب صرف استخارہ کا راستہ ہی باقی رہ گیا ہے، حدیث شریف میں تو فرمایا تھا:

((مَاخَابَ مَنْ اِسْتَخَارَ وَمَا نَدِمَ مَنْ اِسْتَشَارَ))

ترجمہ: جو استخارہ کرے گا خائب وخاسر (ناکام اور نقصان اٹھانے والا) نہ ہوگا، اور جو مشورہ کرے گا وہ پشیمان شرمندہ نہ ہوگا۔

عوام کے لئے یہی دستور العمل ہے کہ اگر کوئی ان فتنوں میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتا تو مسنون استخارہ کر کے عمل کرے اور امید ہے کہ استخارہ کے بعد اس کا قدم صحیح ہوگا، مسنون استخارہ کا مطلب یہی ہے کہ انسان جب کسی امر میں متحیر اور متردد ہوتا ہے اور کوئی واضح اور صاف پہلو نظر نہیں آتا اس کا علم رہنمائی سے قاصر رہتا اور اس کی طاقت بہتر کام کرنے سے عاجز تو حق تعالی کی بارگاہ رحمت والطاف میں التجا کرتا ہے اور حق تعالی کی بارگاہ سے دعا، توکل تفویض اور تسلیم ورضا بالقضاء کے راستوں سے کرتا ہے کہ وہ اس کی دستگیری اور رہنمائی فرمائے، بہتر صورت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

استخارہ کی حقیقت

جن مخلصین واحباب کے خطوط آرہے ہیں ان سب کے لئے یہ لائحہ عمل پیش کیا جارہا ہے کہ مسنون استخارہ پر عمل کریں، نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں استخارۂ مسنونہ کی ترکیب بھی لکھ دی جائے اور دعا بھی لکھ دی جائے، درحقیقت استخارہ مشکوٰۃ نبوت کی ایک روشنی ہے جو امت کو دکھلائی گئی ہے اور امت کے ہر پریشان حال انسان کی قیامت تک کے لئے رہنمائی فرمائی گئی ہے، یہ پیغمبرانہ تربیت ہے جس

کی برکات قیامت تک جاری رہیں گی، حدیث میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم ا صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس طرح استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورتیں بچوں کو یاد کرائی جاتی ہیں اور تعلیم دی جاتی ہیں، بزرگان دین کے تجربوں میں بہت سی صورتیں استخارہ کی آئی ہیں اور ان کے ذریعے انسان کی رہنمائی بھی ہو جاتی ہے لیکن ہادئ امت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین اعلم الاولین والآخرین کے سینۂ نبوت سے جو چیز نکلی ہو اس کی خیر و برکت کا کیا کہنا۔

استخارہ کا مقصد

واضح ہو کہ استخارۂ مسنونہ کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ذمے جو کام تھا وہ اس نے کرلیا اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کے حوالہ کر دیا، گویا استخارہ کرنے سے بندہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا، ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان کسی تجربہ کار عاقل اور شریف شخص سے مشورہ کرنے جاتا ہے تو وہ شخص صحیح مشورہ ہی دیتا ہے اور اپنی مقدور کے مطابق اس کی اعانت بھی کرتا ہے، گویا استخارہ کیا ہے؟ حق تعالیٰ سے مشورہ لینا ہے اپنی درخواست استخارہ کی شکل میں پیش کردی، حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم و کریم ہے؟ اس کا کرم بے نظیر ہے، علم کامل ہے اور قدرت بے عدیل ہے، اب جو صورت انسان کے حق میں مفید ہوگی حق تعالیٰ اس کی توفیق دے گا، اس کی رہنمائی فرمائے گا، پھر نہ سوچنے کی ضرورت، نہ خواب میں نظر آنے کی حاجت جو اس کے حق میں خیر ہوگا وہی ہوگا، چاہے اس کے علم میں اس کی بھلائی آئے یا نہ آئے، اطمینان وسکون فی الحال حاصل ہو یا نہ ہو، ہوگا وہی جو خیر ہوگا، یہ ہے استخارہ مسنونہ کا مطلوب اسی لئے تمام امت کے لئے تاقیامت یہ دستور

العمل چھوڑا گیا ہے اور اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ:

((مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اِسْتِخَارَتُهٗ مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ شَقَاوَتِهٖ تَرْکُ الْاِسْتِخَارَةِ))

ترجمہ: انسان کی سعادت و نیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے اور بدنصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے۔

استخارہ کی دعا

اب استخارہ کی دعا ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ، اللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الاَمْرَ .... خَیْرٌ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَ یَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الاَمْرَ .... شَرٌّ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَ قَدِّرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ

ترجمہ: یا اللہ! میں آپ سے خیر چاہتا ہوں بوجہ آپ کے علم کے اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ سے بوجہ آپ کی قدرت کے، اور مانگتا ہوں میں آپ سے آپ کے بڑے فضل میں سے کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں عاجز ہوں اور آپ عالم ہیں اور میں جاہل ہوں اور آپ علام الغیوب ہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ

کام .... بہتر ہے، میرے لئے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو تجویز کر دیجئے، اور آسان کر دیجئے اس کو میرے لئے پھر برکت دیجئے میرے لئے اس میں اور اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ کام .... برا ہے میرے لئے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو ہٹا دیجئے اس کو مجھ سے، اور ہٹا دیجئے مجھ کو اس سے اور نصیب کر دیجئے مجھے بھلائی جہاں کہیں بھی ہو پھر راضی رکھئے مجھ کو اس پر۔

فتنوں کا اصل علاج قرآن کریم

قرآن کریم حق تعالی شانہ کی وہ آخری اور عظیم ترین نعمت ہے جو اس دنیا کو دی گئی ہے، قرآن کریم ہی وہ قانون الٰہی ہے جو انسانوں کو اعلی ترین سطح پر پہنچانے کا ضامن ہے اور جو قوموں کی سربلندی اور حکومتوں کی عزت و مجد کا بہترین ذریعہ ہے، دور حاضر کے جتنے بھی فتنے ہیں ان سب کا واحد علاج قرآنی دستور ہے، اسلامی ممالک میں آج کل جو فتنے رونما ہو رہے ہیں ان کا اصلی سبب قرآن کریم کی تعلیمات سے انحراف واعراض ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ [سورہ حشر]

ترجمہ: تم نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، پھر اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بھلا دیا، یہی لوگ ہیں نافرمان۔

شام ہو یا مصر، انڈونیشیا ہو یا افریقہ ان سے میں روز روز کے انقلابات اور بے چینی اور اضطراب کا اصلی سبب یہی ہے، کچھ ظاہری اسباب یہی ہیں جن میں روس وامریکہ کی ریشہ دوانیاں سرفہرست ہیں لیکن ان سب میں کوئی تزاحم وتعارض

نہیں، ظاہر بین ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں اور حقائق بین نگاہیں باطن تک پہنچ جاتی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں سورۂ حشر کے آخری رکوع میں یہ مضمون بالکل واضح کر دیا گیا ہے، سورۂ حشر جس میں یہود کی تباہی و بربادی کی داستان اور ان کا یہ حشر یہ سب کچھ نعمت قرآن کی ناشکری اور اس عظیم نظام قرآنی سے انکار وجود کا نتیجہ تھا، الغرض سورۂ حشر کا محور بھی قرآنی دعوت ہے اور یہود کی عبرت انگیز تاریخی داستان پیش کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن کریم پر عمل نہ کرنے کا انجام کار آخر کیا ہوتا ہے؟ اس لئے ابتداء سورت میں حق تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کا بیان ہے اور انتہا میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال و جمال و جلال کا ذکر ہے تا کہ دعویٰ و دلیل دونوں کا ساتھ ہی ساتھ ذکر ہو:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ [سورہ ص]

ترجمہ: یہ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ لوگ اس میں تدبر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

لفظ و معنی و حروف و نقوش سب ہی بابرکت ہیں جن کی تفصیلات احادیث میں ہیں، ''تدبر آیات'' پر عمل کرنا علمی درجہ میں حکیمانہ حقائق پر غور کرنا ہے، ''تذکرۂ اولی الالباب''، عملی قانون بنانا ہے اور جب تک اسلامی ممالک کا قانون قرآن کریم رہا سارے عالم پر ان کا جھنڈا لہراتا رہا اور ایک ہزار برس تک ان کا سکہ چلتا رہا، آخر بے علمی و بد عملی کے نتائج سامنے آگئے۔

جامع ترمذی اور مسند دارمی میں بروایت حارث الاعور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مرفوع حدیث میں ان سب حقائق کا بیان موجود ہے، حدیث کا یہ

جملہ انتہائی قابل غور ہے:

((مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ))

ترجمہ: یعنی اگر کوئی طاقتور حکمران بھی اس قانون الٰہی کو ترک کرے گا تو اللہ اس کو سریزہ ریزہ کردے گا۔

باہمی اختلاف کا فتنہ

صحیح بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ [سورہ الانعام]

ترجمہ: تو کہہ اس کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے (جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش) یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (جیسے زلزلہ اور سیلاب وغیرہ) یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی۔ [ترجمہ شیخ الہندؒ]

اس آیت میں تین قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے:

۱- آسمانی عذاب۔

۲- زمین کا عذاب۔

۳- اور باہمی اختلاف کا عذاب۔

تو جناب رسول اللہ ﷺ نے پہلی قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی

اور وہ قبول ہوئی، پھر دوسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا کی اور وہ بھی قبول ہوئی، جب تیسرے قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی تو قبول نہیں ہوئی، جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کا عذاب آپس کا اختلاف ونزاع ہوگا۔

اس اختلاف کی صورتیں مختلف رہی ہیں، یہ کبھی باہمی خانہ جنگی اور قتل وقتال کی صورت میں ظاہر ہوا، کبھی باہمی نزاع وجدال کی صورت میں نمودار ہوا، کبھی شقاق وافتراق کی راستے سے آیا اور کبھی بدظنی وبدگمانی، طعن وتشنیع اور لعنت وملامت کی صورت میں ابھرا۔

پُر از فتن اسلامی تاریخ

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس امت پر فتنوں کا دروازہ کھل گیا، جنگ جمل، جنگ صفین، واقعۂ حرہ، واقعۂ دیر الجماجم، واقعۂ کربلا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت وغیرہ اسی دردناک سلسلہ کی کڑیاں ہیں، بہر حال اس امت میں ابتدا ہی سے فتنوں کا دور شروع ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں فتنوں کا دور کم وبیش برابر جاری رہے گا، فرق یہ ہے کہ دورِ اوّل میں عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے امت کا ایمان قوی تھا، یہی وجہ ہے کہ شدید ترین اختلاف اور جدال وقتال کے باوجود دورِ اوّل کے تمام فتنے امت کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکے، بلکہ تمام مسلمانوں کا ایمان اپنی جگہ قائم اور راسخ رہا۔

خطرناک ترین فتنہ

سب سے بڑا اور خطرناک فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے زوالِ ایمان کا خطرہ

پیدا ہو جائے ، اگر چہ اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ معمولی معلوم ہوتا ہو ، چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا سب سے بڑا فتنہ دجّال لعین کا فتنہ ہوگا جو خدائی کا دعویٰ کریگا اور ہر قسم کے دجل وفریب سے لوگوں کے ایمان کو غارت کرے گا ، یہ فتنہ اگر چہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا ، اور قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہوگا تاہم اس کی شدت واہمیت کی بنا پر ہر نبی ورسول نے اپنی اپنی امتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا اور اس کے ایمان سوز نتائج وعواقب سے آگاہ کیا ، مگر چونکہ اس فتنہ کا ظہور امت محمدیہ کے عہد میں ہونا تھا اور اس فتنۂ کبریٰ سے براہ راست اسی امت کا تعلق تھا ، اس لئے حضرت رسالت پناہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بہت وضاحت وصراحت کے ساتھ اس سے ڈرایا اور اس کی واضح علامتیں بیان فرمائیں تاکہ ہر شخص دجّالی فتنہ کو پہچان سکے اور امت گمراہی سے بچے (الغرض زوال ایمان کا فتنہ تو سب سے بڑا فتنہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے) اور اس کا ظہور بھی امت کے بالکل آخری دور میں ہوگا ، لیکن اس کے علاوہ ہر دور میں جن فتنوں کا ظہور ہوتا رہا ہے ، وہ اعمال واخلاق ، بدعت والحاد اور تشتت (نظریاتی اختلاف) وافتراق کے فتنے ہیں ۔

اِس دور کے فتنے

ہمارا یہ دور جس سے ہم گذر رہے ہیں گوناگوں فتنوں کی آماجگاہ ہے ، ہر طرف سے مختلف قسم کے فتنوں کی یورش ہے ان میں سب سے زیادہ جن فتنوں سے امت کو واسطہ پڑا ہے وہ اخلاقی وعملی فتنے ہیں ، عوام زیادہ تر اخلاقی فتنوں میں مبتلا اور بدعملی کے فتنوں کا شکار ہیں ، فریضۂ نماز میں تساہل ، فریضۂ صیام سے تغافل ،

فریضۂ حج وزکوۃ میں تکاسل وغیرہ وغیرہ عبادات ہوں یا اخلاق ، معاملات ہو یا معاشرت ہر شعبۂ دین میں بدعملی کا دور دورہ ہے اور بہت سے فتنے اس بدعملی کے نتائج ہیں۔

ملک میں شراب نوشی ،عریانی و بے حیائی ،فواحش ومنکرات ،مردوزن کے مخلوط اجتماعات ،مخلوط تعلیم ،تھیٹر اور سینما، ریڈیواور ٹیلی ویژن ، زنا اور بدمعاشی ، بداخلاقی و بداطواری ،لوٹ مار ، چوری اور ڈاکہ ، رشوت وخیانت ، جھوٹ اور بہتان طرازی ،غیبت اور چغلی ،حرام خوری کی نت نئی صورتیں ،حرصِ دنیا کی خاطر اشیاءِخوردنی میں ملاوٹ۔

کہاں تک شمار کیا جائے ؟ بے شمار برائیاں ہیں جو دورِ حاضر میں اس کثرت سے ظاہر ہوئیں کہ پچھلے زمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ،عقل حیران اور انسانی ضمیر انگشت بدنداں ہے کہ یا اللہ! دنیا کیا سے کیا ہوگئی ؟ اگر آج قرونِ اولی کے مسلمان زندہ ہوکر آجائیں اور اس دور کے مدعی اسلام مسلمانوں کے اخلاق وعمل کا یہ نقشہ دیکھیں تو خدا جانے کیا کہیں ؟اور ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں؟

نعوذباللّٰہ من الفتن ما ظھر منھا وما بطن

طبقۂ خواص بھی فتنوں سے خالی نہیں

بہرحال یہ فتنے اور یہ امراض تو وہ ہیں جن میں زیادہ عوام مبتلا ہیں ،اب ذرا خواصِ امت پر بھی سرسری نگاہ ڈالئے ، یہ حقیقت ہے کہ علماءِ کرام اس عالم کا دل ودماغ ہیں اورعوام امت بمنزلہ اعضائے انسانی کے ہیں ،علمائے امت کا

مقام وہی ہے جو انسانی جسم میں قوائے رئیسہ (دل ودماغ جگر اور گردوں) کا ہے، اعضائے رئیسہ اپنا کام ٹھیک کر رہے ہوں تو جسم کسی اندرونی مرض کا شکار نہیں ہوتا اور بیرونی آفات وصدمات کے مقابلہ میں پوری قوت مدافعت رکھتا ہے، عام اعضائے انسانی کا نقص، اعضائے رئیسہ کے اختلال کی نشاندہی کرتا ہے اور ظاہر جسم کی خرابی اکثر وبیشتر جسم کی اندرونی قوتوں کی خرابی سے ہوتی ہے، اسی طرح عوامِ امت میں خرابی زیادہ تر علماءِ امت کی خرابی وفساد سے ظہور میں آتی ہے، جب علمائے امت اپنا فرض منصبی ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو عوام میں فساد کے در آنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔

علماء ومصلحین اوران کے فتنے

سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہورہے ہیں نہایت خطرناک ہیں، تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

۱-مصلحت اندیشی کا فتنہ

یہ فتنہ آج کل خوب برگ وبار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیشِ نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی وعلمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

۲-ہر دلعزیزی کا فتنہ

جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اس فتنہ کی اساس حبِ جاہ ہے۔

۳-اپنی رائے پر جمود واصرار

اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی ویقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور

اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا، بس یہ یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے، اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط اور باطل، یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں، کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا "الأهم فالأهم" کی تعیین کا اختلاف ہو۔

۴۔سوءِ ظن کا فتنہ

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے، اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں، ان کی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں اس کا منشا بھی عجب و کبر ہے۔

۵۔سوءِ فہم کا فتنہ

کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے، مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی احتمال اور مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہو کیا درج ذیل آیت اور حدیث مبارکہ کی نصوص مرفوع العمل ہو چکی ہیں؟:

﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾

ترجمہ: اور یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔

اوراسی طرح حدیث مبارکہ:

((اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ أَکْذَبُ الْحَدِیْثِ))

ترجمہ: بدگمانی سے بچا کرو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

۶-بہتان طرازی کا فتنہ

مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا بلا سند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا، اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کر دی بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لیکر محافل ومجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا، کیا یہ اس نص قرآنی کے خلاف نہیں؟:

﴿إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾

ترجمہ: اگر آئے تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کرلو۔

۷-جذبۂ انتقام کا فتنہ

کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہو تو وہ مجبوراً خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بیچارگی وناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم اور عفو درگذر سب ختم۔

۸-حبّ شہرت کا فتنہ

کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے

زیادہ داد ملے اور تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوں ، درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خود نمائی و ریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے،صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے حق تعالے کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے، اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے ،اخبارات ، جلسے ،جلوس ،اور (علماء کے بیرون ملکوں کے) دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

۹-خطابت یا تقریر کا فتنہ

یہ فتنہ عام ہوتا جارہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں ،عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں قوالی کا شوق دامن گیر ہے،عمل و کردار سے زیادہ واسطہ نہیں

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتاً عِنْدَاللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [سورہ صف]

ترجمہ: اے ایمان والوں ! کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے ؟ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے ہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔

خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہاں کا درد اس کے دل میں ہے ،لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

۱۰-دعایۃ یعنی پروپیگنڈہ کا فتنہ

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں خصوصاً سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑتوڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق ، نہ عقل ہے نہ انصاف ،محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے،

اخبارات، اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

۱۱- تنظیم سازی کا فتنہ

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہو گئے یا کسی جماعت سے ذرا اختلاف رائے ہو گیا، ایک نئی جماعت کی تشکیل ہو گئی طویل وعریض اغراض ومقاصد بتائے جاتے ہیں، پروپیگنڈہ کے لئے فوراً اخبار نکالا جاتا ہے، بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔

نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ وکلمات سے قراردادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں، امت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

۱۲-عصبیت جاہلیت کا فتنہ

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو، اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے، اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے، مدعی اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل تصویریں، کارٹون سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں، مگر چونکہ اپنی جماعت کے حامی ہیں اس لئے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اس کی نماز روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

۱۳-حبّ مال کا فتنہ

حدیث میں تو آیا ہے کہ:

''حُبُّ الدُّنیا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ''

یعنی دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے، بہت سے حضرات ''رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً'' کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لئے دلیل بناتے ہیں حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اورضروریات کا حصول اس سے انکار نہیں نیز ایک ہے طبعی محبت جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے اس سے بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حبّ دنیا یا حبّ مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں، اقتصاد واعتدال کی ضرورت ہے عوام سے شکایت کیا کی جائے؟ آج کل عوام سے یہ فتنہ گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آ رہا ہے الا ماشاء اللہ، اس فتنے کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے، حق تعالے توفیق عطاء فرمائے، ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ إِلَیْکَ، اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً فِیْمَا تُحِبُّ وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغاً لِیْ فِیْمَا تُحِبُّ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ أَحَبَّ الأَشْیَاءِ إِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وأَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.

علماء ومصلحین کے فرائض

اس جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ خود صحیح ہوں اور ایمان وتقوی اور اخلاق وعمل صالح سے آراستہ ہوں، اور دوسرا فرض یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کے منصب پر فائز ہوں اور صراط مستقیم کی طرف امت کی راہنمائی کریں اور کسی قسم کا نقص (اعتقادی ، اخلاقی یا عملی) امت میں واقع ہو تو اس کے لئے بے چین ہو جائیں اور اس کی اصلاح کے لئے صحیح تدابیر کریں ، اگر خود ان ہی میں نقص آ جائے تو امت کے عوام کا خراب ہونا لازمی ہے،اسی طرح اگر وہ اپنے مقام و مسند کو چھوڑ بیٹھیں ، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتزکیہ کی خدمت سے دست کش ہو جائیں اور اصلاح امت کی فکر کو بالائے طاق رکھ دیں تو اس کے نتیجہ میں پوری امت فساد اور بد عملی کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔

بہر کیف امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ مصلحین امت اپنے فریضۂ منصبی سے غافل ہو جائیں اور جب رفتہ رفتہ یہ مرض یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ علماء امت خود اپنی اصلاح سے بھی غافل اور مختلف امراض اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں امت پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ امت امراض کے انتہائی خطرناک درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس وقت کوئی توقع نہیں رہتی کہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح کی کوشش مثمر ہو سکے ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات میں اسی کا نقشہ یوں پیش کیا گیا ہے:

((اِذَا رَأَیْتَ هَوًی مُتَّبَعًا وَ شُحًّا مُطَاعًا وَدُنْیَا مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ کُلِّ ذِیْ رَأْیٍ بِرَأْیِهٖ)) [سنن ابی داود]

ترجمہ: جب تم دیکھو کہ نفسانی خواہشات کی اتباع ہو رہی ہے،طبیعت کی حرص قابل اطاعت بن گئی ہے ہر کام میں دنیا کی مصلحت بینی کا خیال رکھا جاتا ہے اور ہر شخص کو اپنی رائے پر ناز ہے اور اپنی رائے کے خلاف ہر بات کو ہیچ سمجھتا ہے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اپنی فکر کرنی چاہیئے ، دنیا کی

اصلاح کی فکر ختم کردینی چاہیئے یا یہ کہ تبلیغی فریضہ ساقط ہوجاتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ انتہائی اولوالعزمی سے کام لیا جائے اور اس وقت بھی میدان میں آکر اس خدمت کو انجام دیا جائے، بہر حال جب حالات اتنے مایوس کن نہ ہوں تو قدم کو جادۂ دعوت واصلاح سے نہیں ہٹنا چاہیئے۔

گروہ بندی اورافتراق سے پرہیز

جس طرح عوام اورقوم کے دوسرے طبقوں میں انتشار وافتراق اور تحزب (گروہ بندی) کارفرما ہے اسی طرح علماءکرام کے طبقوں اوردینی اداروں میں بھی تشتت وافتراق موجود ہے نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے علماء میں بلکہ ایک ہی مکتب فکر کے بزرگوں میں بھی یہی صورت حال کارفرما ہے کہیں جمعیت علماء اسلام ہے تو کہیں جمعیت علماء پاکستان اور کہیں مجلس احرار اسلام موجود ہے تو کہیں جمعیت اہل حدیث کہیں تنظیم اہل سنت ہے تو کہیں ادارۂ ختم نبوت .... دین کے لئے یہ انتشار وافتراق سانحۂ عظیم ہے، کاش! یہ سب ادارے یا کم از کم ایک ایک مکتب خیال کے ادارے ایک مرکز پر جمع اور متحد ومتفق ہوجائیں اور پھر باہمی تعاون ومشاورت اور متحدہ نظام کے تحت تقسیم کار کے اصول پر جو جماعت جس مقصد کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو وہ کام اس کے سپرد کیا جائے، آپس میں کل ارتباط واتحاد تعاون وتناصر اور ہم آہنگی ویگانگت موجود ہو اور سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔

حب دنیا کا فتنہ

عصر حاضر کا سب سے بڑا فتنہ دنیا کی محبت ہے دنیا سے میری مراد عام ہے دولت وثروت ہو، جاہ ومنزلت ہو شہوات ولذائذ ہوں، راحت وآسائش ہو، بود وباش ہو، غرض معاشرت ومعیشت کا کوئی بھی شعبہ ہو، غیر شعوری طور پر اس کی رغبت ہوتی ہے، اس کے لئے محنت کی جاتی ہے، ان چیزوں کو قرآن وحدیث میں ''متاع دنیا'' کہا گیا ہے اور جب دنیا کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے حصول کے لئے عام ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں حلال ہوں یا حرام ہوں اور جب یہ حالت ترقی کر جاتی ہے تو پھر اس کے حصول کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، بے حیائی، بے رحمی ناانصافی سب آجاتی ہیں اور رفتہ رفتہ طبیعت مسخ ہو جاتی ہے اور حقائق معکوس ہو جاتے ہیں، صحیح کو غلط سمجھنے لگتا ہے اور غلط کو صحیح، حق کو باطل اور باطل کو حق، حق تعالی کا ارشاد صادق آجاتا ہے:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [سورۂ حج]

یعنی سر کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں،

اس لئے حدیث نبوی میں یہ ارشاد ہے کہ:

((حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ))

یعنی دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، بہر حال حب دنیا کا فتنہ اتنا عالمگیر ہو گیا ہے کہ ہر شخص پر کچھ نہ کچھ اثر اس کا پڑتا ہے الا ماشاء اللہ، پھر نفس کی ان خواہشات کو شیطان لعین ہوا دیتا ہے، اس کی اہمیت و معقولیت طبیعت میں راسخ کرتا ہے۔

حبّ دنیا کے اسباب

﴿وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطَانُ أَعْمَالَهُمْ﴾

یعنی شیطان ان کے کاموں کو ان کے لئے خوبصورت و آراستہ کرتا ہے،

جب نفس و شیطان کا پورا استیلاء ہو جاتا ہے تو انسان اچھا خاصا حیوان بن جاتا ہے، اس کے لئے شراب نوشی، بدکاری، بے حیائی، عریانی و فحاشی سب میں انتہائی جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے، انا للہ! اللہ تعالی رحم فرمائے اس صورت حال میں اگر بدقسمتی سے انسان خدا فراموش ماحول میں پہنچ جاتا ہے جہاں کی دنیا یہی ہو، جہاں قدم قدم پر یہ روح فرسا مناظر ہوں، دل و دماغ پر نفس و شیطان کا سحر اثر کر گیا ہو، ہر وقت متاع دنیا کی ہوس سوار ہو تو معاملہ مایوس کن مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے یا انسان کسی ایسی مملکت میں سکونت پذیر ہو کہ حکومت کی خواہش یہی ہو کہ خدا تعالی کی تمام مخلوقات خدا فراموش زندگی اختیار کرے، ہر بے حیائی کی حوصلہ افزائی ہو، تھیٹر، سینما، ٹی وی اور فواحش مناظر ہوں، تعلیم ہو تو مخلوط ہو، اجتماعات ہوں تو مشترک ہوں، اس دردناک صورتحال میں کیا کوئی خیر کی توقع باقی رہ سکتی ہے؟

یہ تو عملی فتنوں کی حالت ہے اگر اس پر مستزاد علمی فتنے بھی شامل ہوں مثلا

سیرت ہو تو فرائیڈ کی، تاریخ ہو تو ہیگل و مارکس اور لینن کی، نہ ذکر و عبادت کی فکر ہو نہ تقوی کا خیال ہو ﴿ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ اوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیر ہو تو خیر کی کیا امید؟ آج کل اکثر اسلامی ممالک کی یہی صورت حال ہے مال و دولت کی فراوانی نہیں بلکہ سیلاب ہے، مال و دولت کی فراوانی کے جو لوازم ہیں یعنی عیش پرستی، اسراف و تبذیر، کرّ و فر، نخوت و غرور کا وہ عالم کہ الامان والحفیظ! افسوس کہ فقر و تنگدستی میں ان کا ایمان محفوظ رہا اور انسانی اخلاق و ملکات قائم رہے لیکن اس پر آشوب صورت نے تو ان کی کایا پلٹ دی، نہ معلوم یہ سیلاب کہاں رکے گا اور کیسے رکے گا؟

اسبابِ عذاب

آج بیروت کا خوبصورت شہر اور لبنان کے علاقے کیوں جہنم کدہ بنے ہوئے ہیں؟ عبرت کا مقام ہے عیاشی و بدمعاشی بے حیائی و عریانی وغیرہ فواحش و منکرات کے قبیل کی کون سی چیز ہے جس کا وجود وہاں نہ ہو؟ آخر نام اسلام کا ہو اور تمام کام کفر کے ہوں یہ نفاق حق تعالی کے یہاں برداشت نہیں، مانا کہ اس عذاب کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہیں لیکن تکوینی اسباب اور ظاہری اسباب میں تعارض نہیں، ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں لیکن باطنی اسباب کچھ اور ہوتے ہیں، ہم بینات کے ''بصائر و عبر'' کے صفحات میں بارہا یہ عبرت انگیز تلخی آمیز حقائق و اشگاف بیان کر چکے ہیں'' ولکن لا حیات لمن تنادی '' (تم جس کو پکار رہے ہو وہ موت کی نیند سو چکا ہے) کون سنتا ہے؟ نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں، نہ معلوم کہ دنیا کو یہ جنون کیوں سوار ہے ہوش کیوں نہیں آتا؟ حیات طیبہ پاکیزہ زندگی کی برکات کا کیوں احساس نہیں ہے؟۔

حبّ دنیا کے نتائج

دنیا کی اس خدا فراموش زندگی کا پہلا نتیجہ اضطراب قلب ہے، چنانچہ آج دنیا سے سکون مفقود ہے، دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ قابل اہمیت نعمت سکون قلب ہے اگر یہ حاصل ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ تمام باغ و بہار ہیچ ہے، اگر غور کیا جائے تو انسان اس یقین تک پہنچ سکتا ہے کہ پاکیزہ زندگی کے ذریعہ دنیا بھی جنت ہے اور خدا فراموش زندگی میں دنیا جہنم ہے ﴿اَلاَ اِنَّ جَهَنَّمَ مُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ﴾ کی ایک توجیہ یہ بھی ہے بلاشبہ اگر دنیا کو آخرت کی نعمتوں کا ذریعہ بنایا جائے تو دنیا دنیا نہیں ہوگی بلکہ یہی دنیا آخرت بن جائے گی اور ہر لمحہ اجر وثواب نصیب ہوگا اور اسی لئے حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ((لَا تَسُبُّوا الدُّنْيَا)) یعنی دنیا کو برا مت کہو، اس کی مراد یہی ہے کہ دنیا آخرت کا مزرعہ اور کھیتی ہے، اگر یہ دنیا نہ ہو تو آخرت کی نعمتیں کیوں کر حاصل ہوں گی؟ دنیا ہی کے ذریعہ آخرت کی تمام نعمتیں حاصل ہوسکتی ہیں ہاں! اگر دنیا کا مقصد صرف دنیا کی نعمتیں ہیں تو پھر دنیا لعنت ہی لعنت اور غضب ہی غضب کی مستحق ہے اور اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے جو جامع ترمذی ابوداود وغیرہ میں ہے کہ:

((اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ ، مَلْعُوْنٌ مَافِيْهَا اِلاَّ ذِكْرُ اللّٰهِ أَوْ مَاوَالَاهُ أَوْ عَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ))

ترجمہ: دنیا اور جو کچھ اشیاء دنیا میں ہے تمام لعنت کے مستحق ہیں بجز چار چیزوں کے:

ا- حق تعالیٰ کی یاد، اور یاد الٰہی کے حکم میں ہر پاکیزہ زندگی ہے۔

۲- اور جو چیز دنیا کی اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، یعنی عمل صالح، عبادات اور مکارمِ اخلاق وغیرہ۔

۳- عالم اور علمی زندگی۔

۴- علم دین حاصل کرنے کی زندگی۔

یہ چار چیزیں گویا آخرت کی نعمتیں ہیں اگر چہ دنیا میں ہیں ان چار چیزوں کو اگر نکال دیا جائے تو دنیا ملعون ہے قابل لعنت ہے اس میں کوئی خوبی نہیں۔

"دنیا آخرت کی کھیتی"

میں یہ نہیں کہتا کہ یکسر دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کی جائے، نہیں! ہرگز نہیں! تجارت، زراعت، کسب حلال، حصول نفقہ اور صحیح معاشرہ کے تمام وسائل یہ سب کچھ عین دین ہے، ان چیزوں کا مقصد اگر صحیح ہے تو یہ سب چیزیں دنیا نہیں بلکہ آخرت کی ہیں اور باعث اجر وثواب ہیں، شریعت ان چیزوں پر پابندی نہیں لگانا چاہتی ہے بلکہ ان کا رخ صحیح کرنا چاہتی ہے، مقصد کی اصلاح کرنا چاہتی ہے، اس طرح تمام دنیا آخرت کی زندگی بن سکتی ہے، اگر تمام زندگی عبادت میں گذار دے اور تمام اوقات درس وتدریس میں یا وعظ وتبلیغ میں گذارے لیکن مقصد جاہ ومنزلت ہو یا حصول مال ودولت ہو تو یہ ساری چیزیں دنیا بن جاتی ہیں، الغرض ایک گناہ ہی ایسی چیز ہے کہ حسن نیت سے طاعت نہیں بن سکتی ہے، باقی تمام دنیا کی جائز وحلال چیزیں حسن نیت سے آخرت کے حکم میں داخل ہو سکتی ہیں، صالحین امت کے لئے دنیا جنت ہے، فاسقین کے لئے یہ دنیا بھی جہنم ہے، میرا مقصد کوئی وعظ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے ذرا بھی عقل دی ہو اور وہ ذرا بھی عقلِ سلیم کے تقاضے کو

پورا کرے تو دنیا کی حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی ،حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں عجیب وغریب اسلوب سے دنیا کی اس حقیقت کو مختلف مقامات میں بیان فرما کر ارباب عقول پر اپنی حجت پوری کر دی ہے۔

سببِ اضطراب اور اس کا علاج

آج کل جو کچھ اضطراب اور پریشانی کا نقشہ دنیا میں نظر آرہا ہے یہ سب کچھ حب دنیا کے ثمرات ہیں ، کاش! مسلمان قرآن کریم کا ہی ترجمہ سمجھتے اور تدبر سے تلاوت کرتے تو یہ واشگاف حقائق الٰہیہ ان کے سامنے آتے ، لیکن آج مسلمانوں کو اخبار بینی ،ریڈیو اور ٹی وی سے فرصت کہاں ملتی ہے؟ بہت کچھ تیر مارا تو ریڈیو پر اسلامی زندگی کا کچھ مضمون خاص سانچے میں ڈھلا ہوا سن لیا اور سمجھ لیا کہ بس بہت کچھ درس حاصل ہو گیا ،کاش! مسلمانوں کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کے اس پیغام سے ہوتا اور سمجھ کر بغور تلاوت نصیب ہوتی تو مسلمانوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا ،قرآن کریم عظیم ترین نعمت ہے یہ وہ ذکر اللہ ہے جس کے ذریعہ ایمان میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور جس سے قلب وروح کو غذا ملتی ہے ، دماغ کی تربیت ہوتی ہے ،زندگی کی اصلاح ہوتی ہے۔ ''ہم خرما وہم ثواب'' والی صورت ہے لیکن مرض موجود ہو اور مرض کا علاج نہ ہو بلکہ مرض ہی کو صحت سمجھ لیا جائے تو شفا ، کیوں کر ہوگی ؟ بد پرہیز مریض کا انجام بجز ہلاکت اور کیا ہو سکتا ہے ؟ زہر کو تریاق سمجھ کر استعمال کرنے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے ،حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور حق بات سننے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس پر عمل کی مزید توفیق ہو ، اور ان مختصر اشارات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ہو ، آمین ۔

مادّیت کا فتنہ

آج کل دنیا طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، ان سب فتنوں میں ایک بنیادی اور بڑا فتنہ ''پیٹ'' کا ہے، شکم پروری وتن آسانی زندگی کا اہم ترین مقصد بن کر رہ گیا ہے، ہر شخص کا شوق یہ ہے کہ لقمۂ تر اس کی لذتِ کام ودہن کا ذریعہ بنے اور یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہے کہ بہت کم افراد اس سے بچ سکے ہیں، تاجر ہو یا ملازم، اسکول کا ٹیچر ہو یا کالج کا پروفیسر، دینی درس گاہ کا مدرس ہو یا مسجد کا امام اس آفت میں سبھی مبتلا نظر آتے ہیں، ہاں! فرقِ مراتب ضرور ہے زہد وقناعت، ورع وتقوی اور اخلاص وایثار جیسے اخلاق وفضائل اور ملکات کا نام ونشان نہیں ملتا۔

فتنۂ مادّیت کا نتیجہ واسباب

اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کا پورا عالم ساز وسامان کی فراوانی کے باوجود حرص وآس، طمع ولالچ اور زرطلبی وشکم پروری کی بھٹی میں جل رہا ہے اور کرب واضطراب، بے چینی وبے اطمینانی اور حیرت وپریشانی کا دھواں ہر چہار سمت پھیلا ہوا ہے۔

دراصل اس فتنۂ جہاں سوز کا بنیادی سبب یہی ہے جس کی نشاندہی رحمت للعالمین ﷺ نے فرمائی، آخرت کا یقین بے حد کمزور اور آخرت کی نعمتوں اور

راحتوں کا تصور قریباً ختم ہو چکا ہے، مادی نعمتوں اور ان کا تصور اس قدر غالب ہے کہ روحانی قدریں مضمحل ہو چکی ہیں، یہی وجہ ہے آج انسانوں کی چھوٹائی بڑائی، عزت وذلت اور بلندی وپستی کی پیمائش ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ کے پیمانے سے نہیں ہوتی بلکہ پیٹ اور جیب کے پیمانے سے ہوتی ہے، مادیت کے اس سیلاب میں پہلے ایمان ویقین رخصت ہوا، پھر انسانی اخلاق ملیا میٹ ہوئے، پھر اسوۂ نبوت سے وابستگی کمزور ہوکر اعمال صالحہ کی فضا ختم ہوئی، پھر معاشرت ومعاملات کی گاڑی لائن سے اتری، پھر سیاست وتمدن تباہ ہوا اور اب مادیت کا یہ طوفان انسانیت کو بہیمیت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے، افراتفری اور بے اصولی، آوارگی وبے راہ روی اور بے رحمی وشقاوت کا وہ دور دورہ ہے کہ الامان والحفیظ!۔

فتنۂ مادّیت کا علاج

الغرض اس پیٹ کے فتنے نے ساری دنیا کی کایا پلٹ کرڈالی، دنیا بھر کے عقلاء پیٹ کی فتنہ سامانی کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں وہ اس فتنہ کے ہولناک نتائج کا تدارک بھی کرنا چاہتے ہیں مگر صد حیف کہ علاج کے لئے ٹھیک وہی چیز تجویز کی جاتی ہے جو خود سبب مرض ہے، درحقیقت انبیاء علیہم السلام ہی انسانیت کے نبّاض (نبض شناس) ہیں اور انہی کا تجویز کردہ علاج اس مریض کے لئے کارگر ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس ہولناک مرض کی صحیح تشخیص بہت پہلے فرمادی تھی، چنانچہ ارشاد فرمایا:

((وَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَ لٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تَبْسُطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ)) [بخاری ومسلم]

ترجمہ: بخدا! مجھے تم پر فقر کا اندیشہ قطعاً نہیں، بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلائی جائے، جیسا کہ تم سے پہلوں پر پھیلائی گئی پھر تم پہلوں کی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو، پھر اس نے جیسے ان کو برباد کیا تمہیں بھی برباد کرڈالے۔

لیجئے! یہ تھا وہ نقطۂ آغاز جس سے انسانیت کا بگاڑ شروع ہوا یعنی دنیا کو نفیس اور قیمتی چیز سمجھنا اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس پر جھپٹنا، پھر آپ نے تشخیص پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لئے ایک جامع نسخۂ شفا بھی تجویز فرمایا جس کا ایک جزاعتقادی ہے اور دوسرا عملی۔

اعتقادی علاج

اعتقادی جُز یہ کہ اس حقیقت کو ہر موقعہ پر مستحضر رکھا جائے کہ اس دنیا میں ہم چند لمحوں کے مہمان ہیں، یہاں کی ہر راحت وآسائش بھی فانی ہے اور ہر تکلیف ومشقت بھی ختم ہونے والی ہے، یہاں کے لذائذ وشہوات آخرت کی بیش بہا نعمتوں اور ابدالآباد کی لازوال راحتوں کے مقابلہ میں کالعدم اور ہیچ ہیں، قرآن کریم اس اعتقاد کے لئے سراپا دعوت ہے اور سینکڑوں جگہ اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے، سورۂ اعلیٰ میں نہایت بلیغ مختصر اور جامع الفاظ میں اس پر متنبہ فرمایا:

﴿كَلَّا بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾

ترجمہ: کان کھول کر سن لو (کہ تم آخرت کو اہمیت نہیں دیتے) بلکہ دنیا کی زندگی کو (اس پر) ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور لازوال ہے۔

عملی علاج

اور عملی حصہ اس نسخہ کا یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں مشغول ہوا جائے اور بطور پرہیز کے حرام اور مشتبہ چیزوں کو زہر سمجھ کران سے کل پرہیز کیا جائے اور یہاں کے لذائذ وشہوات میں انہماک سے کنارہ کشی کی جائے، دنیا کا مال واسباب، زن وفرزند، خویش واقرباء اور قبیلہ وبرادری کے سارے قصے زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت سمجھ کر صرف بقدر ضرورت ہی اختیار کئے جائیں، ان میں سے کسی چیز کو بھی دنیا میں عیش وعشرت اور لذت وتنعم کی زندگی گذارنے کے لئے اختیار نہ کیا جائے نہ یہاں کی عیش کوشی کو زندگی کا مقصد اور موضوع بنایا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

((اِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ ، فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ))

ترجمہ: عیش وتنعم سے پرہیز کرو، کیونکہ اللہ تبارک وتعالی کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔

متضاد طرزِ عمل

تعجب ہے کہ اگر کسی ڈاکٹر کی رائے ہو کہ دودھ، گھی، گوشت، چاول وغیرہ کا استعمال مضر ہے تو اس کے مشورے اور اشارے سے تمام نعمتیں ترک کی جاسکتی ہیں لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور وحی آسمانی کے صاف احکام پر ادنی سے ادنی لذت کا ترک کرنا گوارا نہیں، نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل واصحابؓ کی زندگی اور معیار زندگی کو اول سے آخر تک دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی نعمتوں سے دل بستگی سراسر جنون ہے۔

روٹی اور پیٹ کا مسئلہ

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مروی ہے کہ کچھ لوگوں پر ان کا گذر ہوا، جن کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھا تھا، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی، آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی''۔

مہینوں پر مہینے گذر جاتے مگر کاشانۂ نبوت میں نہ رات کو چراغ جلتا نہ دن کو چولہا گرم ہوتا، پانی اور کھجور پر گذر بسر ہوتی وہ بھی کبھی میسر آتیں کبھی نہیں، تین تین دن کا فاقہ ہوتا، کمر سیدھی رکھنے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھے جاتے اور اسی حالت میں جہاد وقتال کے معرکے ہوتے، الغرض زہد وقناعت، فقر وفاقہ، بلند ہمتی و جفاکشی اور دنیا کی آسائشوں سے بے رغبتی اور نفرت و بیزاری سیرت طیبہ کا طغرائے امتیاز تھی، اپنی حالت کا اس ''پاک زندگی'' سے مقابلہ کرنے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کو شرم آنی چاہیئے، ہمارے یہاں سارا مسئلہ روٹی اور پیٹ کا ہے اور وہاں یہ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ یہ زندگی بالقصد اختیار کی گئی تھی تاکہ آئندہ نسلوں پر خدا کی حجت پوری ہو جائے ورنہ تو آپ ﷺ چاہتے تو آپ ﷺ کو منجانب اللہ کیا کچھ نہ دیا جا سکتا؟ مگر دنیا کا یہ ساز وسامان جس کے لئے ہم مر کھپ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس قدر حقیر و ذلیل ہے کہ وہ اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو اس سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا، بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو عظیم الشان سلطنت بھی دی گئی مگر ان کے زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی و بیزاری میں فرق نہیں آیا، ان

کے پاس جو کچھ تھا دوسروں کے لئے تھا، اپنے نفس کے لئے کچھ نہ تھا۔

الغرض یہ ہے ''فتنہ پیٹ'' کا صحیح علاج جو انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص سید کائنات ﷺ نے تجویز فرمایا، اور اگر انسان ''پیٹ کی شہوت'' کے فتنہ سے بچ نکلے تو انشاء اللہ شہوتِ فرج کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا کہ یہ خرمستی پیٹ بھرے آدمی کو ہی سوجھتی ہے، بھوکا آدمی اس کی آرزو کب کرے گا؟ ان ہی دو شہوتوں سے بچنے کا نام اسلام کی اصطلاح میں ''تقوی'' ہے جس پر بڑی بشارتیں دی گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ضعیف مریض کو بقائے حیات کے لئے ہلکی پھلکی معمولی غذا کا مشورہ دیا جاتا ہے اور زبان کے چسکے سے بچنے کی سخت تاکید کی جاتی ہے تاکہ مطلوبہ اعلی صحت نصیب ہو بس یہی حیثیت اسلام کی نظر میں دنیا کی ہے۔

فتنۂ مغربیت

''مجمع الزوائد'' میں حافظ نور الدین ہیثمیؒ نے بحوالۂ ''معجم طبرانی'' ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی نقل کی ہے:

((إِنَّهُ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَشْرِقِ قِيلَ فَكَيْفَ فِتْنَةُ الْمَغْرِبِ ؟ قَالَ : "تِلْكَ أَعْظَمُ وَأَعْظَمُ !"))

ترجمہ: نبی کریم ﷺ فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے آپ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے بہت ہی بڑا ہے۔

یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کی مراد فتنہ مغرب سے کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ سقوطِ اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہوگیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلادِ مغرب کے اس ''فتنۂ استشراق'' کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد وتحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا، بہرحال الفاظِ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل

ہے ہی۔

الغرض اس دور میں یہ علمی و عملی فتنے پورے زور و شور اور طاقت و قوت کے ساتھ اسلامی مما لک میں پھیل رہے ہیں، ہمارا ملک نسبتاً ان سے مأمون و محفوظ تھا لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال و دولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ملک سے گوئے سبقت لے جائے۔

اہل علم واہل قلم حضرات کا فتنہ

افسوس کہ ہم ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں جس میں اربابِ علم اپنے علمی تقاضوں کو نہیں پورا کر رہے ہیں، اور اربابِ جہل علمی مسائل میں دخل دے رہے ہیں، ہر صاحبِ قلم صاحبِ علم بننے کا مدعی ہے، کتابوں کے اردو تراجم نے اس فتنے کو اور وسعت دی ہے اردو تراجم جہاں ایک اصلاحی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے، افسوس کہ عصر حاضر میں ''واثمھما اکبر من نفعھما'' کا مصداق بنتے جا رہے ہیں جن کا ضرر ونقصان فائدہ ونفع سے کہیں بڑھ گیا ہے۔

دور حاضر میں جہاں مختلف فتنوں کی آماجگاہ ہے، وہاں قلم کا فتنہ شاید سب سے گوئے سبقت لے جا رہا ہے، ایک حدیث میں جسے درمنثور میں بحوالہ ''مسند احمد'' ''الادب المفرد للبخاریؒ'' اور ''مستدرک حاکم'' بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے کے چھ فتنوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک ''فشو القلم'' یعنی ''قلم کا طوفان'' ہے اس حدیث کی روشنی میں آج طوفان قلم کی فتنہ سامانی کا اندازہ ہر عاقل کر سکتا ہے۔

علمی میدان میں ان حضرات کا دائرہ نہ صرف بہت محدود وتنگ ہے بلکہ ہے ہی

نہیں، اردو کے تراجم سے کچھ سطحی معلومات حاصل کر کے ہر شخص دورِ حاضر کا مجتہد بنتا جارہا ہے اور ''اعجاب کل ذی رأی برأیه'' (ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے) اس فتنے نے ''کریلا اور پھر نیم چڑھا'' والی مثل صادق کر دی ہے، اور ناشرین نے محض تجارتی مصالح کے خیال سے سستے داموں عالم نما جاہلوں سے تراجم کرا کر فتنہ کو اور بڑھا دیا ہے، غرض کہ فتنوں کا دور ہے ہر طرح کے فتنے اور ہر طرف سے فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں، ان فتنوں کے سد باب کے لئے مستقل اداروں کی ضرورت ہے جن کا اساسی مقصد صرف یہی ہو کہ ان تراجم کا جائزہ لیا جائے اور اخبارات میں شائع ہونے والے مقالات کی نگرانی ہو، ارباب جرائد و مجلّات کا مقصد محض تجارت ہے، اور اربابِ قلم کا مقصد محض شہرت ہے یا پھر کچھ مادّی منفعت بھی پیشِ نظر ہے، انہی قلمی واخباری فتنوں میں سے ایک ''زرعی اصلاحات'' کے عنوان سے زرعی مشکلات کو حل کرنے کے سلسلہ کے مضامین ہیں جو آئے دن اخبارات میں نکلتے رہتے ہیں۔

بلا شبہ علمی و دینی نقطہ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اسلامی احکام کی روشنی میں اگر صحیح متفقہ حل پیش کیا جائے تو کمیونزم کا سد باب ہوسکتا ہے، دنیا کی مادی بنیادیں دو ہیں جن پر معاش و معیشت کا دارومدار ہے ایک زراعت اور ایک صنعت وتجارت دونوں چیزیں حیات انسانی کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں، اس لئے دین اسلام نے ان کے احکام پورے طور پر بیان کر دیئے، قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں ان کی تفصیلات موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مفکرین اربابِ دین واربابِ علم جن کی علمی زندگیاں انہی بادیہ پیمائیوں میں گذری ہیں اور جنکی بے لوث زندگیاں اخلاص وتقوی سے معمور ہیں اور جنکی فکری واجتہادی

صلاحیتیں مسلم ہیں جلد سے جلد کسی مرکز میں بیٹھ کر وفاقی اجماعی حل پیش کریں، شخصی طور پر اس پچاس سال میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، چند ماہ پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن) نے چند ممتاز افراد کو جمع بھی کیا تھا لیکن تکمیل سے پہلے حضرات منتشر ہو گئے، کام ادھورا رہ گیا، حق تعالی توفیق عطا فرمائیں کہ جلد سے جلد یہ کام انجام پذیر ہو اور نہایت خوش اسلوبی سے منصۂ شہود پر امت کے سامنے آجائے، اگرچہ ارباب اقتدار آج کل اتنے جری ہو گئے کہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر ہر حکم نافذ کرتے ہیں، اور اسلام کے ادعاء کے باوجود ہر قید و بند سے آزاد ہو کر احکامات صادر فرماتے رہتے ہیں، ان حالات میں بے چارے اہل علم یا ارباب دین کی باتوں کو وہ کہاں درخور اعتناء سمجھتے ہیں؟ لیکن بارگاہ ربوبیت میں اپنی مسئولیت پوری کرنے کے لئے ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔

علماء کی صحبت کے بغیر حصولِ علم فتنہ ہے

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ صاحبِ کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کرلیا جائے، معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام پیشوں کے لئے بھی کسی استاذ و رہنما کی ضرورت مسلّم ہے، بغیر استاذ کے نری عقل و ذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتا، انجینئری ہو یا ڈاکٹری اور طبابت ہو، ہر صنعت و حرفت کے لئے ابتداءً عقل کی رہنمائی کے لئے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے، جب انسانی عقل کے پیدا کردہ فنون و علوم کے حاصل کرنے کے لئے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علوم نبوت اور معارف انبیاء اور حقائق شریعت کے لئے استاذ و رہنما سے کیسے استغناء ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ علوم و معارف تو عقل و ادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحی ربانی کے ذریعہ سے امت کو پہنچے ہیں، آسمانی تربیت اور ربانی ہدایت وارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ مربی کی توجہات اور اس کی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور تعلیم سے زیادہ ذہنی وفکری اور عملی تربیت ضروری ہے، اس لئے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ کمال نصیب ہوگا اور مربی و رہنما جتنا باکمال ہوگا اتنا

زیادہ فائدہ اور کمال حاصل ہوگا۔

اپنی عقل ورائے پر اعتماد اور اسکا نتیجہ

پھر ان علوم نبوت کی غرض و غایت چونکہ ہدایت وارشاد اور مخلوق خدا کی رہنمائی ہے اس لئے ان کے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت واضلال اور گمراہی کا شدید اندیشہ ہوتا ہے جو کمال کہ دنیوی مفاد کے لئے حاصل کرنا ہوتا ہے اس میں شیطان آرام سے بیٹھا رہتا ہے اسکو دخل کی حاجت ہی نہیں ، نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے لیکن جہاں آخرت وعقبی اور دین کی بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کے لئے بے تاب ہوتا ہے ، مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشد وہدایت ضلالت میں تبدیل ہوجائے اور چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے یعنی حق وباطل میں ایسا التباس ہوجائے کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے ، پھر نفس انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں ، انسانی فطرت میں کبر وعجب ہے ، ریا کاری و حبّ شہرت ہے ، حبّ جاہ کا مرض ہے اور ایسے شدید وقوی امراض ہیں کہ مدّتوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا ، اس لئے نفس وشیطان کے اثرات سے بچنے کے لئے مدتوں کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب فضلِ الٰہی شامل حال ہو تو اصلاح ہوجاتی ہے ورنہ انسان یونہی علم وعقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے ، دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں سب اذکیاء اور عقلاء حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے آئے ہیں بلکہ علماء حق میں بھی

بہت سے اذکیاء زمانہ اپنی شدت ذکاوت کی وجہ سے جمہور امت سے شذوذ اختیار کر کے غلط افکار ونظریات کا شکار ہو گئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ اپنے تبحر علمی وذکاوت پر اعتماد کر کے علمی کبر اور اعجاب بالرأی کے مرض میں مبتلا ہوئے، زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے؟۔

ہمارے اس دور میں بھی اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں، اور چونکہ علمی ذہانت تو ہوتی ہی ہے اور بسا اوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں، اس لئے ان کی وہ عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں نصیب نہیں ہیں وہ بہت جلد ان کے معتقد ہو جاتے ہیں اور انکے امت سے مختلف شذوذ (غیر معروف) اور جدید افکار ونظریات کے بھی حامی ہو جاتے ہیں، اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہوا ہے جو شخصیت امت کی ہدایت وارشاد کے کام آسکتی تھی وہ امت میں زیغ وضلال کا ذریعہ بن جاتی ہے، ہر دور میں اس کی مثالیں موجود ہیں، امام غزالیؒ نے مقاصد الفلاسفۃ میں لکھا ہے کہ:

"یونانیوں کے علوم حساب ہندسہ عنصریات وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ انکے تمام علوم کے معتقد ہو گئے، طبعیات والہیات میں ان کی تحقیقات کے قائل ہو کر گمراہ ہو گئے"

امام غزالی رحمہ اللہ کی یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا موقع مل جاتا ہے، بہر حال جب انتہائی علمی قابلیت والے انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن مین علمی قابلیت بہت کم، لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ ہو، صحبت ارباب کمال سے یکسر محروم ہوں عقلمند اور ذہین ہوں وہ تو بہت جلد اعجاب بالرأی کے خطرناک

مرض میں مبتلا ہو کر تمام امت کی تحقیر اور تمام تحقیقات امت کا استخفاف اور تمام سلف صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لیکر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لئے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل کی ایک مشہور شخصیت جناب سید ابوالاعلی صاحب مودودی کی ہے جو بچپن ہی سے طباع ذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے ابتدا میں اخبار ''مدینہ'' بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار ''مسلم'' سے وابستہ رہے، پھر چند سالوں کے بعد اخبار ''الجمعیۃ'' دہلی میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا، دہلی سے نکلتا تھا غالباً سہ روزہ تھا، تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب وتاب سے نکلتے تھے، اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے ذریعہ ہوتی گئی، والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے بلکہ ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے، نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے، پرائیوٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہوگئی، اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلّات وجرائد سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا، اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی، بدقسمتی سے نہ کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کر سکے، نہ جدید علوم کے گریجویٹ بن سکے نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہوسکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا بلکہ بدنصیبی سے نیاز فتح پوری جیسے ملحد وزندیق کی صحبت نصیب ہوئی، ان سے دوستی رہی ان کی صحبت ورفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات ومیلانات پیدا ہوگئے، حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۳ء میں

ماہنامہ ’’ترجمان القرآن‘‘ جاری کیا، آب وتاب سے مضامین لکھے بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ علمی وقلمی چیزیں ابھرنے لگیں، ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی، تحریک آزادئ ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی، ہندوستان کے بہترین دماغ اسی کی طرف متوجہ تھے۔

علمائے کرام کے زمرے میں شاید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے مکاتیب میں اس فتنے کی نشاندہی فرمائی، رفتہ رفتہ علماء امت کچھ نہ کچھ لکھتے رہے، حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب نے اس وقت جو مطبوعہ ذخیرہ تھا سب کا مطالعہ فرما کر ایک مبسوط رسالہ مرتب فرمایا، لیکن افسوس کہ طبع نہ ہوسکا اور اس سلسلہ میں ایک مدرس مظاہر العلوم مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب مودودی صاحب کی طرف مائل ہوگئے تھے ان کی اصلاح کے پیش نظر ایک مکتوب لکھا جو ’’فتنۂ مودودیت‘‘ کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوگیا ہے۔

خلاصۂ کلام

مودودی صاحب کی بہت سے چیزیں پسند بھی آئیں اور بہت سے ناپسند بھی، لیکن عرصہ دراز تک جی نہ چاہا کہ ان کو مجروح کیا جائے اور ان کے جدید انداز بیان سے جی چاہتا تھا کہ جدید نسل فائدہ اٹھائے، اگرچہ بعض اوقات ان کی تحریرات میں ناقابل برداشت باتیں بھی آئیں لیکن دینی مصلحت کے پیش نظر برداشت کرتا رہا اور خاموش رہا لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالم گیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بری صورت اختیار کرے گا اور دن

بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے، صحابۂ کرامؓ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے، آخر ''تفہیم القرآن'' اور ''خلافت وملوکیت'' اور ''ترجمان القرآن'' میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آگئیں لیکن ﴿ واثمهما أكبر من نفعهما ﴾ والی بات ہے، اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آگیا ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم الف سے یاء تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کر کے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

مکاتیب حضرت شیخ الحدیثؒ بنام حضرت بنوریؒ
بسلسلۂ خاتمہ شرور وفتن

از: حضرت شیخ الحدیثؒ

المخدوم المکرّم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب زادمجدہم

بعد سلام مسنون!

مدارس کے روز افزوں فتن طلبہ کی دین سے بے رغبتی و بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہی ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے، ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم ''دیوبند''، ''مظاہر العلوم''، ''شاہی مسجد مرادآباد'' وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے، انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہتا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرماویں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا، مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں

اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں، روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکراللہ کی فضا قائم کی جائے، شرور وفتن اور تباہی و بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکراللہ کی کثرت ہے، جب اللہ تعالی کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالی کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالے کے پاک نام کو ان کی بقاء وتحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانے میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے وہ بھی ظاہر ہے بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں اس لئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور رہا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے، یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ

کر دیا جائے ،جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا ، البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو اور ذکر کے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو ، نہ سونے والوں کا ، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس نا کارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہوکر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کی عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگر چہ نہ ہومگر ۲۰ یا ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰ یا ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں اور دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں ، عزیز مولوی نصیر الدین سلمہ ، اللہ تعالے اس کو بہت جزائے خیر دے ، ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں کہ داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اکابر کے زمانہ سے جتنا بعد ہوتا جائیگا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس نا کارہ کو نہ تحریر کی عادت ، نہ تقریر کی ، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس پر اس

مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی، اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل ذکر'' میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب "الوابل الصیب" سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کئے ہیں جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں ''فضائل ذکر'' سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے، آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دار العلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے، انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں، یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

والسلام

حضرت شیخ الحدیثؒ، بقلم حبیب اللہ

[۳۰ نومبر ۵ ۷ ء، مکۃ المکرّمۃ]

حضرت مولانا بنوریؒ نے خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

مخدوم گرامی مفاخر ہذہ العصور حضرت شیخ الحدیث رفع اللہ تعالی درجاتہ وافاض علینا من برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جب سے میں کراچی پہونچا ہوں عریضہ لکھنے کا ارادہ کرتا رہتا ہوں لیکن توفیق نہیں ہوئی، ایک طرف مشاغل کا ہجوم، دوسری طرف کسل کا ہجوم، آپ کو تو حق تعالے نے حسنِ نظم کی توفیق عطا فرمائی ہے ہر کام وقت پر ہو جاتا ہے میں اس نعمت

سے محروم ہوں اللہ تعالے رحم فرمائے آمین۔

عزیزم محمد سلمہ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا، بلکہ سنایا دوبارہ خود بھی پڑھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت وزیارت کے لئے دارالعلوم گیا تھا، وہاں بھی میں نے ذکر کیا فرمایا کہ زبانی بھی اس کا تذکرہ آیا تھا، اساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوری کا اجلاس تھا، اس مجلس میں مکتوب مبارک سنایا گیا، اور عمل کرنے کیلئے تدبیر ومشورہ پر غور بھی ہوا، بات تو بالکل واضح ہے، ذکراللہ کی برکات وانوار سے جو نتائج مرتب ہونگے وہ بھی واضح ہیں، اور میں اس کی تلافی کیلئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے اکابر کا جو اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمہ تھے، وہ محتاج بیان نہیں، ان کی تدریس وتعلیم سے غیر شعوری طور پر ایسی تربیت ہوئی تھی اور ان کی قوت نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے، بلا شبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کے لئے اسی قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے حق تعالی جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل نصیب فرمائے۔

البتہ ایک اشکال ذہن میں آیا کہ ویسے تو علوم دین، تدریس کتب دینیہ سب ہی ذکراللہ کے حکم میں ہیں، اگر اخلاص اور حسن نیت نصیب ہو، اور ذکراللہ بھی اگر خدانخواستہ ریاکاری سے ہو تو عبث بلکہ وبال جان ہے لیکن اگر کسی درسگاہ میں تعلیم قرآن کا شعبہ بھی ہے اور بچے تعلیم قرآن اور حفظ قرآن میں مشغول ہیں، اور الحمدللہ کہ ایسے مدارس بھی ہیں جہاں معصوم بچے اور مسافر بچے شب وروز میں بلاشبہ بارہ گھنٹہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ہیں، مقصد بھی الحمدللہ بہت اونچا اور نیت بھی

صالح تو کیا یہ ذکر اللہ ان ذاکرین کے ذکر کی جگہ پر نہیں کر سکتے؟

اور یہ سلسلہ اگر اس طرح جاری و ساری ہے، تو الحمد للہ اچھا خاصا بدل مل جاتا ہے، ظاہر ہے کہ عہد نبوت میں یہ سلاسل وطرق کا نظام تو نہیں تھا بلکہ تلاوت قرآن کریم مختلف اوقات و اعمال کے افکار و ادعیہ پھر صحبت مقدسہ قیام لیل وغیرہ کی صورت تھی، بظاہر اگر اس قسم کی کوئی صورت مستقل قائم ہو شاید فی الجملہ بدل بن سکے گا، ہاں یہ درست ہے کہ ذکر تبعاً ہوگا، بصورت مشائخ طریقت ذاکرین کا سلسلہ شاید قصداً و ارادۃً ہوگا، شاید کچھ فرق ملحوظ خاطر عاملہ ہوگا۔

بہر حال مزید رہنمائی کا محتاج ہوں، مجھے اپنے ناقص ہونے کا بے حد افسوس ہے کاش رسمی تکمیل ہو جاتی تو محض افادیت و نفع کی غرض سے متعارف سلسلہ بھی جاری کرتا، اور اس طرح ایک خانقاہی شکل بھی بن جاتی، یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلبہ تعلیم کے زمانہ میں اپنی تربیت و اصلاح کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد دردناک ہے، جب مدرسین بھی اس اقوی نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں، اور طلبہ بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں اذکار و ادعیہ کا التزام بھی نہ ہو، دور فتنوں کا ہو ''حفت النار بالشهوات'' کا منظر قدم قدم پر ہو، تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارہ کار نہیں۔ میں آپ کی خاص دعوات و توجہات کا محتاج ہوں، وقت کے ضیاع کا صدمہ ہے، لایعنی باتوں میں مشغولیت کا خطرہ رہتا ہے۔

والسلام مع العرف الاحترام مسک الختام

محمد یوسف عفی عنہ

[۹ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ]

جواب از حضرت شیخ الحدیثؒ :

المخدوم المکرّم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب زادمجدہم

بعد سلام مسنون !

طویل انتظار کے بعد رات عشاء کے بعد ۲۰ جنوری کی شب میں رجسٹری پہونچی آپ کے مشاغل کا ہجوم تو مجھے بہت معلوم ہے اور آپ کی ہمت ہے کہ بیک وقت اتنے مشاغل کو کس طرح نمٹاتے ہیں۔ سیاسی، علمی، اور اسفار اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ وہ رجسٹری کہیں گم نہ ہوگئی ہو، عزیز محمد سلمہ کسی آنے والے کے ہاتھ آپ کی خدمت تک اس کا پہونچ جانا لکھ دیتا تو اطمینان ہوتا آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنی مجلس شوریٰ میں میرے عریضہ کو سنایا کم سے کم ان سب حضرات کے کانوں میں تو یہ مضمون پڑ گیا۔

خدا کرے کسی کے دل میں بھی یہ مضمون اتر جائے تقریباً دو سال ہوئے مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک خط آیا تھا انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ تیری آپ بیتی میں مدرسین اور ملازمین کے لئے جو مضمون ہے مجھے بہت پسند آیا، اور میں نے اپنے یہاں سب مدرسین اور ملازمین کو جمع کر کے بہت اہتمام سے اسکو سنوایا۔

عزیز محمد کے خط سے معلوم ہوا کہ جناب نے میرا خط اپنی تمہید کے ساتھ بینات میں طباعت کے لئے دیدیا، مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنے عریضہ میں لکھا تھا کہ آپ اپنے الفاظ میں اس مضمون کو تحریر فرمائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ مؤثر ہوگا اسمیں کوئی تواضع یا تصنع نہیں کہ میری تحریر بے ربط ہوتی ہے کہ بولنے کا سلیقہ نہ لکھنے کا، آپ نے اپنے اکابر کے متعلق جو لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے، بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے دور سے ان اکابر کو بہت کثرت سے

دیکھنے کی نوبت آئی بلا مبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا، اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعلق بہت سے جاہلوں کے میں نے خود دیکھا کہ بیعت ہونے کے بعد تہجد نہیں چھوٹا، اور بعض جاہلوں کو تو یہاں تک دیکھا ہے کہ کوئی نیا مولوی اپنے وعظ میں کچھ ادھر ادھر کی کہہ دیتا تو وہ آ کر پوچھتے کہ فلاں مولوی صاحب نے وعظ میں یوں کہا ہے۔

ناگل کے قریب ایک گاؤں تھا، اس وقت نام تو یاد نہیں رہا، میرے دوست کہتے ہیں کہ آپ بیتی میں یہ قصہ آ گیا ہے، یہاں کے ایک رہنے والے جن کو میں شاہ جی کہا کرتا تھا ہر جمعہ کو سردی ہو یا گرمی یا بارش ہو ہر جمعہ کو ناگل سے پیدل چل کر جمعہ حضرت گنگوہی کے یہاں پڑھا کرتا تھا اور جمعہ کے بعد حضرت گنگوہی کی مجلس میں شریک ہو کر عصر سے پہلے چل کر عشاء کے بعد اپنے گھر پہونچ جایا کرتا تھا، اور حضرت شیخ الہندؒ کا قصہ تو مشہور ہے کہ جمعرات کی شام کو مدرسہ کا سبق پڑھا کر ہمیشہ پیدل گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے اور شنبہ کی شب میں عشاء کے بعد یا تہجد کے وقت گنگوہ سے چل کر شنبہ کی صبح کو دیوبند میں سبق پڑھایا کرتے تھے، یہ مناظر آنکھوں میں گھومتے ہیں اور دل کو تڑپاتے ہیں۔

آپ نے جو اشکال کیا وہ بالکل صحیح ہے مگر اس تالی کے ساتھ مقدم کا تحقق ہو جائے تو سب کچھ ہے یقیناً قرآن پاک کی اور حدیث کی تعلیم تو بہت اونچی ہے اور اس میں سب کچھ ہے اس کا مقابلہ کوئی چیز کر سکتی ہے؟

مگر تابعین کے زمانہ سے قلبی امراض کی کثرت ہے، اس زمانہ کے مشائخ کو ان علاجوں کی طرف متوجہ کیا جیسا کہ امراض بدنیہ میں ہر زمانہ کے اطباء نے نئے نئے امراض کے لئے نئی نئی دوائیں ایجاد کیں، ایسے ہی اطبائے روحانی نے قلوب

کے زنگ کے لئے ادویہ اور علاج تجویز کئے ، میری نگاہ میں بھی ایسے اشخاص گذرے ہیں جو دورہ سے فراغ پر صاحب نسبت ہو جاتے تھے ، نبی کریم ﷺ کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے ، اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دفن سے ہم نے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے قلوب میں تغیر پانے لگے اَو کما قال۔

اس قوتِ تاثیر کا نمونہ امت کے افراد میں بھی پایا گیا ، چنانچہ حضرت سید صاحبؒ کے لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جن کو بیعت کے ساتھ ہی اجازت مل گئی ، اس کے نظائر تو آپ کے علم میں مجھ سے زیادہ ہونگے ، حضرت میاں جی صاحب نور اللہ تعالےٰ مرقدہ کے یہاں تلاوت قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہو جایا کرتے تھے ، مگر یہ چیز تو قوت تاثیر اور کمال تاثر کی محتاج ہے ، جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا ، کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر و شغل کی ضرورت نہیں ، یہ طرق وغیرہ تو سارے مختلف انواع علاج ہیں ، جیسا ڈاکٹری ، یونانی ، ہومیو پیتھک وغیرہ ، اطبائے بدنیہ نے تجربوں سے تجویز کئے ہیں۔

اسی طرح اطبائے روحانی نے بھی تجربات یا قرآن و حدیث کے استنباطات سے امراض قلبیہ کے علاج تجویز فرمائے کہ قرآن پاک و احادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدہ کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اس کو تو پہلے اسہال کے لئے ہی دوا دیں گے ، ورنہ یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہیں ، آپ نے فرمایا کہ مزید رہنمائی کا محتاج ہوں ، میں آپ کی کیا رہنمائی کر سکتا ہوں :

'' او کہ خود گم است کرا رہبری کند ؟ ''

چونکہ طلبہ میں اب (جیسا کہ آپ نے بھی لکھا) بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی ، بلکہ بعض میں تو انکار اور استکبار کی نوبت آ جاتی ہے ، اسی لئے اس کی ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث اور اللہ تعالی کی محبت پیدا کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل آپ جیسے حضرات غور سے تجویز فرمائیں ۔

پہلے ہر شخص کو اپنی اصلاح کی خود فکر تھی وہ خود ہی امراض کے علاج کے لئے اطباء کو ڈھونڈتے تھے ، اب وہ امراض قلبیہ سے اتنے بیگانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے ، کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں ، اور ان مہمانان رسول کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں ، ورنہ اہل مدارس کو سب کو ان کے تجربات خوب حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیر اولی کے اہتمام کے بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت ہی جاتی رہتی ہے فالی اللہ المشتکی.

آپ نے تو میرے مافی الضمیر کو خود ہی اپنی تحریر میں واضح فرما دیا آپ جیسے ناقص تو ہم جیسے کاملوں سے بہت اونچے ہیں میرا واضح مطلب تو آپ اور مفتی شفیع صاحب وغیرہ بقیۃ السلف کو اس لائن کی طرف متوجہ کرنا تھا کہ یہ پہلو بھی آپ کے ذہن میں رہے تو زیادہ اچھا تھا ۔

میری بے ربط تحریرات تو اشاعت کے قابل نہیں ہوتی ، آپ حضرات حسن تدبیر ، حسن رائے سے مدارس عربیہ کے طلبہ کو کم سے کم قرآن وحدیث کی عظمت اور اس سے محبت پیدا کرنے والے کی کوئی تجویز فرمائیں تو بہت حد تک اصلاح کی امید ہے ، ورنہ آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائکوں سے مقابلہ کیا جا رہا ہے ۔

فقط والسلام

از حضرت شیخ الحدیث صاحب، بقلم حبیب اللہ

[۲۰ جنوری ۱۹۷۶ء ، مدینہ طیبہ]

اس پر حضرت بنوریؒ کا جواب آیا :

مخدوم گرامی حضرت شیخ الحدیث زادہم اللہ برکات وحسنات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحیَّۃ من عنداللّٰہ مبارکۃ طیبۃ

والا نامہ گرامی نے ممنون ومشرف فرمایا، جواب میں حسب عادت تاخیر ہوتی جاتی ہے، اب تو یہ تقصیر عادت ہی بن گئی، الحمد للہ تعالے کہ قلمی ہے قلبی نہیں، سابق مکتوب برکت مختصر تمہید کے ساتھ بینات میں شائع ہوگیا، آپ کے کلمات میں جو تاثیر ہوگی ہماری روایت بالمعنی اور تشریح میں کہاں وہ برکت؟ اس لئے ان کلمات کو بعینہا شائع کرنا قرین مصلحت سمجھا اور اس لئے ادباً تعمیل حکم سے قاصر رہا میں تو کسی کی جوتوں کے صدقہ کچھ لکھ لیتا ہوں، ورنہ اردو کہاں اور ہم کہاں!

خیر! حق تعالے جزئے عطا فرمائے کہ تفصیلی جواب سے سرفراز فرمایا اور بہت کچھ باتیں آجاتی ہیں اور ہمیں اور دوسروں کو استفادہ کا موقعہ مل جاتا ہے، لیکن مخدوما! میرا مقصد طرق وسلاسل ومشائخ کے اذکار واعمال واشتغال ومراقبات ومجاہدات کی افادیت ہرگز نہ تھا، الحمد للہ تعالے کہ ان پر قلب مطمئن ہے کہ امراض نفوس کا بھی علاج ہے، اوران تدابیر کے سوا چارہ کار نہیں، اور اگر امراض نہ ہوں تو شارع علیہ السلام نے جو غذائے روحانی مقرر فرمائی ہے اور فرض قرار دیدیا ہے وہی نسخہ شفاء مزید کی حاجت ہی نہیں، مقصد شبہ کا صرف اتنا تھا کہ ذکر اللہ کی برکات وانوار

تو بہر حال درس قرآن، حفظ قرآن، تلاوت قرآن سے حاصل ہو جاتے ہیں، طلبہ کے نفوس کا علاج وہ نہیں بلا شبہ اس کے لئے مخصوص طرق علاج کی ضرورت ہے۔

اس لئے گذارش تھی کہ ہر درسگاہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی بھی ضرورت ہے جو طلبہ فارغ ہوں اس سے وابستہ ہوں اور کچھ عرصہ اس مقصد کے لئے اقامت بھی کریں، خدا کا شکر کہ آپ کی خواہش ذاکرین کے اجتماع اور اجتماعی ذکر کی تدبیر کی گئی، اس ہفتہ اس کا افتتاح بھی ہو جائیگا (انشاء اللہ تعالی)۔

کچھ طلبہ ہفتہ وار مکی مسجد بھی جایا کرتے ہیں، امسال جو طلبہ فارغ ہوں گے تیرہ (۱۳) طلبہ نے ایک سال کے لئے تبلیغ میں وقت لگانے کا عزم کرلیا ہے، اور نام بھی لکھوا دیئے ہیں اور ایک چلہ والے تو بہت ہیں، انشاء اللہ تعالی اگر آپ کی دعائیں اور توجہات دونوں شامل حال رہیں تو انشاء اللہ تعالی مافات کی تلافی ہوتی رہے گی، آپ کا دوسرگرامی نامہ بھی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے چند اساتذہ کے مجمع میں سنا دیا بہت محفوظ ہوئے وہ آپ کی تدبیر و تجویز پر عمل سوچ رہے ہیں، بہت عجلت اور تشویش خاطر میں چند سطریں گھسیٹ دی ہیں تا کہ مزید تاخیر نہ ہو۔

والسلام

محمد یوسف بنوری

[۳ صفر ۱۳۹۶ھ]

جواب از حضرت شیخ الحدیثؒ:

المخدوم المکرّم حضرت مولانا الحاج محمد یوسف صاحب بنوری

زادت معالیکم

بعد سلام مسنون!

گرامی نامہ مورخہ ۳ صفر بذریعہ رجسٹری پہونچا، اور بینات کا وہ پرچہ بھی پہونچ گیا، جس میں جناب نے اس ناکارہ کا وہ خط بھی طبع کر دیا، میں نے لکھا تھا کہ میرا مضمون بعینہ نہ چھاپا جائے بلکہ میرے مضمون کو اپنے الفاظ میں مفصل تحریر فرمائیں وہ محض تواضع نہیں بلکہ تحریر و تقریر پر عدم قدرت منشاء تھا، مگر جناب کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ جناب نے از راہ محبت اس کو بعینہ شائع فرما دیا، اللہ تعالے آپ کی اس محبت کو طرفین کے لئے دینی ترقیات کا ذریعہ بنائے اس سے بہت مسرت ہوئی کہ جناب نے اس ناکارہ کی درخواست پر خانقاہ کا افتتاح بھی فرما دیا، اللہ تعالے برکت فرمائے مثمر ثمرات بنائے، میرے مضمون پر کوئی تائید یا تنقید کسی کی طرف سے آئی ہو تو مطلع فرمائیں، کسی اور مدرسہ نے اس پر توجہ کی یا نہیں؟

یہ امنگیں تو میرے سینہ میں کئی سال سے چل رہی ہیں اور اپنی طرف سے تدبیریں بھی اس کی کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں مگر ذکر کی طرف توجہ اب کم ہوتی جا رہی ہے، اور چونکہ اکابر کے زمانہ سے طلبہ کو اس سے الگ رکھا گیا اس لئے عام طور سے ذہنوں میں اس کی اہمیت بھی کم ہوتی جا رہی ہے، طلبہ کو الگ رکھنا تو میرے ذہن میں اب بھی ہے لیکن مدرسوں میں اس کا سلسلہ قائم کرنے کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے، مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی بہت اہتمام سے اس پر لبیک فرمائی تھی، اور شروع کرنے کا وعدہ بھی فرما لیا تھا آپ کی مساعی جمیلہ سے اگر مدرسوں میں ذکر کا سلسلہ شروع ہو گیا تو میرا خیال ہے کہ بہت سے فتنوں کا سدّ باب ہو جائیگا۔

مصر سے مولوی عبدالرزاق صاحب کا خط آیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ وہ ''فتنہ مودودیت'' کی تعریب کے کام میں مشغول ہیں انہوں نے شاہد کے نام ایک پرچہ

بھیجا تھا جس میں اس کی روایات حدیث کا حوالہ لکھنے کو لکھا تھا عزیز شاہد اُن کو لکھ رہا ہے، یہاں کتابیں کم ملتی ہیں، بلکہ زیادہ تر مصری ملتی ہیں، اس لئے اس کی تلاش میں دیر لگ رہی ہے، میرے مسودہ پر تو صفحات سب پر پڑے ہوئے ہیں مگر میرے مسودات میں کتابیں وہی ہوتی ہیں جو بہت قدیم چھپی ہوئی ہیں ان ہی میں پڑھا پڑھایا اور ان ہی سے دل چسپی ہے میری ابوداود وہ ہے جس میں میرے والد صاحبؒ نے ۱۲ھ میں حضرت گنگوہیؒ سے ابوداود شریف پڑھی، بہت قدیم نسخہ ہے، اسی میں انہوں نے پڑھایا وہی پھر میرے پاس رہا، نئی مطبوعات باوجود بہت واضح اور صاف ہونے کے مجھے مناسبت ان ہی کتابوں سے ہے جو بہت پرانی ہیں، نئی کتابیں میرے لئے ایسی ہی اجنبی ہیں جیسے ممالک عربیہ والوں کے لئے لیتھو کی طباعت۔

اللہ تعالے اپنے فضل وکرم سے جناب کی صحت وقوت میں اضافہ فرمائے، اور اپنی رضاو مرضیات پر زیادہ سے زیادہ کام لے۔

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث، بقلم حبیب اللہ

۱۶ فروری ۶ے ھ، مدینہ طیبہ

[آپ بیتی، ج ۲ حصہ ۷، ص ۱۴۱۴ تا ۱۴۳۴]

عالمگیر فتنوں کے مقابلہ کے لئے تبلیغی جماعت کا وجود

الغرض اس دور میں یہ علمی و عملی فتنے پورے زور وشور اور طاقت وقوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں، ہمارا ملک نسبتاً ان سے مأمون ومحفوظ تھا ،لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال ودولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے جائے۔

اب میں ایک ضرور مضمون عرض کر کے ختم کرتا ہوں، ایک دفعہ مکی مسجد (کراچی) جانا ہوا، میں کبھی کبھی وہاں چلا جاتا ہوں، وہاں تبلیغی حضرات نے مجھے پکڑ لیا اور کچھ بیان کرنے کی دعوت دی میں نے سوچا کیا بیان کروں؟ بولنا مجھے آتا نہیں، خیر میں ان حضرات کے اصرار پر بیٹھ گیا، ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ کی آیت پڑھی بس پھر کیا تھا؟ قرآن پاک کی برکت سے سینہ کھل گیا، عجیب وغریب مضامین ذہن میں آئے، کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بیان ہوا، تفصیل تو مجھے اب یاد نہیں رہی کچھ مضمون یاد ہے وہی اس موقعہ پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا اللہ جل ذکرہ عالمین کا رب ہے اس کی ربوبیت کے کرشمے

بیٹھ گیا، ﴿الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ کی آیت پڑھی بس پھر کیا تھا؟ قرآن پاک کی برکت سے سینہ کھل گیا، عجیب وغریب مضامین ذہن میں آئے، کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بیان ہوا، تفصیل تو مجھے اب یاد نہیں رہی کچھ مضمون یاد ہے وہی اس موقعہ پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا اللہ جل ذکرہ عالمین کا رب ہے اس کی ربوبیت کے کرشمے ظاہر ہیں لیکن اتنے عجیب وغریب کہ عقل حیران ہے، جسمانی ربوبیت کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں، صرف روحانی ربوبیت کو دیکھئے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے علماء امت کی مساعی اول تو ناکافی ہیں پھر جتنی کچھ ہیں وہ بھی کامیاب نہیں اور نئی نسل کی تباہی اور گمراہی کے لئے بیسیوں فتنے موجود ہیں، تھیٹر سینما وغیرہ وغیرہ اخلاق کی قربان گاہ تھے ہی، اب تو بے دینی کے انتہائی غلبہ اور تسلط کی وجہ سے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بھی جو حال ہے وہ آپ کو معلوم ہے، اخبارات میں روزانہ اس کی خبریں آپ پڑھتے ہیں، اس کے علاوہ وہ ممالک جو فحاشی اور بے حیائی کے مرکز ہیں امریکہ برطانیہ وغیرہ ان ممالک سے مواصلات اور رسل رسائل کی آسانی کی وجہ سے فتنوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔

باری تعالی کی شان ربوبیت

الغرض ان حضرات کی برکت سے پوری بات ذہن میں آ گئی، میں ان تبلیغی حضرات کے اخلاص کا بڑا معتقد ہوں، اب بھی بعض مخلصین کی وجہ سے بول رہا ہوں، ورنہ مجھے بیان کرنا نہیں آتا، تو دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالی کی شان ربوبیت کا کرشمہ یوں ظاہر ہوا ہے کہ ان عالمگیر فتنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالی نے تبلیغی جماعت کا یہ نظام جاری فرما دیا، یہ وہ نظام ہے جو عالمگیریت چاہتا ہے اس میں عالم

تیار کرتے ہیں وہ تو اس عالمگیر سیلاب کے لئے کافی نہیں تھے، یہ تبلیغ والے ایک گشت لگاتے ہیں، سیلاب کے طریقہ سے آتے ہیں اور دو چار پانچ دس آدمیوں کی ہدایت کا سامان بن جاتے ہیں، کہیں کسی کو امریکہ سے پکڑ لاتے ہیں کہیں لندن سے، تبلیغی نظام کی برکات آپ کے سامنے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں بندگان خدا کی ہدایت کے لئے یہی نظام ذریعہ بن گیا تو اللہ پاک نے تبلیغی جماعت کا جو نظام جاری فرمایا ہے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی روحانی ربوبیت کا ایک کرشمہ ہے جو اللہ پاک نے اس امت کے اندر ظاہر فرمایا ہے تاکہ اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ میرے پاس فرصت نہ تھی، اللہ نے یہ نظام ہی ایسا جاری فرمایا کہ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس میں کھپ سکتا ہے، اس نظام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیا کہ تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچانا ہے، اگر کسی کو " لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " یاد ہے وہ یہی دوسرے بھائی کو سکھا دے، کسی کو "سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ " یاد ہے وہ سکھا دے کیونکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو یہ بھی یاد نہیں تو اللہ رب العالمین کی ربوبیت کا جیسا مادی نظام ہے ایسا ہی تبلیغی جماعت کا وجود میرے نزدیک روح کی غذا اور آخرت کی تیاری کے لئے اللہ تعالیٰ کا روحانی نظام ربوبیت ہے یہ ایک مختصر متن ہے جس کی شرح پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، اس لئے میں آپ حضرات سے یہی عرض کروں گا کہ آپ اس جماعت سے تعلق رکھیں، خدا تعالیٰ آپ کو توفیق دے، آپ دنیا کے اندر انقلاب پیدا کر دیں گے، فرض شناسی اور دین پر چلنے کی ہمت آپ میں پیدا ہوگی اور اس کی وہ لذت فرحت اور مسرت آپ کو حاصل ہوگی کہ ؂

"لذت این بادہ بخدا نشاسی تا نہ چشی"

ترجمہ: خدا کی قسم! اس شراب کی لذت کو تم اس وقت تک محسوس نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اس کو چکھ نہ لو۔

اور سچ پوچھئے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں وہ لذت وہ سرور اور وہ اطمینان قلب رکھا ہوا ہے کہ بے چارے بادشاہوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ وہ دولت ہے جو آج دنیا میں مفقود ہے امریکہ اور برطانیہ کو خبر نہیں کہ ان بوریا نشین فقیروں کے پاس سکون قلب کی کتنی بڑی دولت ہے، ان کا حال تو وہی ہے جو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا:

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ﴾

ترجمہ: اور بے شک جہنم محیط ہے کافروں کو۔

آخرت میں تو جہنم ان کو گھیرے ہوئے ہوگی ہی، یہ دنیا بھی ان کے لئے سراپا جہنم بن کر رہ گئی ہے تو اللہ جل ذکرہ نے تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہدایت کا سامان پیدا کر دیا ہے اور آپ کے لئے اپنی اور اپنے بھائیوں کی اصلاح کی صورت پیدا کر دی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں تاکہ ہماری زندگی درست ہو جائے، ہماری ساری زندگی آخرت کے لئے بن جائے اور ہمیں آخرت کی جاودانی نصیب ہو جائے۔

فریضہ دعوت و تبلیغ مسلمانوں کی حیات نو

افسوس ہے کہ ''قرون مشہود لہا بالخیر'' کے بعد امت دعوت و تبلیغ میں بہت مقصر رہی ہے اور اب تو اس بنیادی چیز کو چھوڑ کر دوسری چیزوں ہی کو مقصود بنا لیا، بلاشبہ سلاطین اسلام نے سیف و سنان اور جہاد و قتال کے بہت سے کارنامے انجام

دیئے اور اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن اسلام کے بتائے ہوئے اہم اصول ''اخلاقی دعوت وتبلیغ'' کے راستے سے اسلام کو پھیلانے کی کوششیں بہت کم ہوئیں ورنہ دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، اسلام کو وہ نور جو دعوت وتبلیغ کے راستہ سے دلوں میں اترتا ہے وہ بڑا قوی پائیدار اور بابرکت ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقعہ پر حضرت نبی کریما نے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو اسلامی پرچم عطا فرماتے ہوئے جو ہدایت فرمائی اسے صحیح بخاری شریف کے الفاظ میں سنیئے!

((انفذ علی رسلک حتی تنزل بساحتهم ثم ادعهم الی الاسلام واخبرهم بما یجب علیهم من حق الله فیه، فوالله لأن یهدی بک الله رجلا واحدا خیر لک من حمر النعم)) [صحیح بخاری]

ترجمہ: اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے قریب جا کر فروکش ہو جاؤ پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور اللہ کی جانب سے اسلام لانے کا جو حق ان پر عائد ہوتا ہے اس سے انہیں آگاہ کرو، پس خدا کی قسم! اگر تیری وجہ سے ایک آدمی کے لئے بھی اللہ تعالی ہدایت کا فیصلہ فرمادیں یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اسلام تو دراصل نام ہے اس دین کا جس کی بنیاد ہی دعوت وتبلیغ پر قائم ہے جس کا سب سے بڑا سرمایہ شفقت ورحمت اور محبت ومودت ہے اور جس کا پیغام امن وسلامتی ہے، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے چودہ سال صرف دعوت وتبلیغ، اصلاح وتزکیہ اور قلوب میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کو پختہ کرنے کے لئے مختص تھے جب دعوت وتبلیغ کا کام اپنی آخری حد کو پہنچ گیا، اسلام کی صداقت اور اس کی

اخلاقی قوت ہر خاص و عام کے سامنے روزِ روشن کی طرح کھل کر واضح ہوگئی اور باطل پھر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا، اور جب ہر طرح کی ہمدردانہ کوششیں ناکام ہوگئیں اور مسلمانوں کو اہلِ عناد کی دسیسہ کاریوں سے انتہائی مجبور کن حالات کا سامنا کرنا پڑا تو جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی اور حکم ہوا کہ اب باطل کا کانٹا صاف کر دیا جائے اور فتنہ پردازوں کے وجود سے خدا کی زمین کو پاک کر دیا جائے، چنانچہ اعلان کر دیا گیا:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴾ [سورۃ الحج]

ترجمہ: اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلا شبہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جب تک اصلاحِ نفوس اور تزکیۂ قلوب کی قرآنی دعوت کے اصول پر جم کر کام نہ کیا جائے تب تک اصلاح کی توقع بے سود ہے، حضرت صدیقِ اکبرؓ کا وہ مقولہ جو عام طور پر امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے آج بھی اپنی جگہ عین حقیقت ہے، فرمایا:

"لَنْ يَّصْلَحَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ أَوَّلُهَا"

ترجمہ: آخری دور میں بھی اس امت کی اصلاح صرف اسی نہج پر ہو سکے گی جس نہج پر پہلے دور میں اس کی اصلاح ہوئی۔

قرآنی اصول کے مطابق اسلامی دعوت کو جب تک عام نہیں کیا جاتا جب تک اس کام کو کام سمجھ کر یہ امت اس دعوت کے لئے نہیں اٹھ کھڑی ہوتی اور جب

تک اس دعوت کی آواز گھر گھر نہیں پہنچتی تب تک اصلاح ممکن نظر نہیں آتی ، امت کی حیات نو اور نشأۃ ثانیہ کا بس یہی ایک طریقہ ہے اس کے علاوہ جتنے طریقے اپنائے جائیں گے ان سے اگر کسی قدر فائدہ ہوگا بھی تو محض عارضی ، وقتی ، ناپائیدار اور غیر مستقل ہوگا۔

فریضۂ دعوت وتبلیغ میں کوتاہی

عرصہ دراز سے امت محمدیہ سے ایک اہم تقصیر ہو رہی ہے اور خیر القرون کے بعد سے ہی اس تقصیر کی بنیاد پڑ گئی تھی یعنی ''تبلیغ دین'' اور ''دعوت الی اللہ'' میں قابل حسرت کوتاہی ہو رہی ہے ، دعوت وہدایت دین اسلام کا اساسی اصول ہے ، جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں تو ''جہاد وقتال'' کی نوبت آتی ہے ، قرون اولی کے سلف صالحین گفتار سے زیادہ اپنے کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے ، قوت بیانی سے پہلے اخلاقی وایمانی قوت سے دعوت دیتے رہے ، ہر ایک صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت ، اسلامی مواسات اور اسلامی اخلاق کا اعلی نمونہ تھا ، دنیا میں اسلام آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام کے دینی حسن وجمال اور حسن اخلاق کے کمال سے پھیلا ، تلوار کے زور سے نہیں پھیلا ، صاحب انصاف وصاحب عقل وبصیرت مؤرخ اس سے بے خبر نہیں ، اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا ، تکوینی مصالح تو حق تعالی ہی جانتا ہے تاہم دنیا کے مزاج میں کفر واسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے ، چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا اسلام وہی رہا جو دعوت وارشاد کے

راستوں سے پھیلا ہے، اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضرات صحابہ کے عہد میمون میں جو ممالک اسلام کے زیرنگین آئے وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطین اسلام کی تلوار سے جو مسلمانے ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے نکلتے جارہے ہیں، نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرون اولی کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے، اگرچہ اعمال واخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ غالب ہے، اس کے برخلاف جو ممالک بعد میں سلاطین اسلام اور ملوک اسلام کے زورتلوار سے فتح ہوئے ان میں عقائد کی خامی واضح ہے اگر کہیں اعمال ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کریدنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہو چکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہوجاتا ہے، دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا، انہوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا ﴿ لِتَكُونَ كَلِمَةَ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ تاکہ صرف حق تعالی کا دین غالب ہو اس لئے ان فتوحات کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا، بلکہ ملوکیت اور شان وشوکت کی آمیزش تھی اس لئے وہ دینی تصلّب حاصل نہ ہوسکا، کہنا یہ تھا کہ دعوت وارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اسی تقصیر کے نتیجے میں ہے۔

تبلیغی جماعت اور اس کے شاندار اثرات

حق تعالی کی ہزاروں رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کی روح پر جنہوں نے مسلمانوں کو بھولا سبق یاد دلایا اور اس سبق یاد دلانے میں

ہی فنا ہو گئے ، اگر کوئی فنا فی اللہ، فنا فی الرسول اور فنا فی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہے تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح ''فنا فی التبلیغ'' ہو گئے تھے، اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے بس یہی فکر ہی دامن گیر تھی ، تمام زندگی اور تمام افکار و انفاس بس اسی مقصد کے لئے وقت تھے حق تعالی نے ان کی جانفشانی و قربانی ، ایثار و اخلاص اور جد و جہد کو قبول فرمایا اور چار دانگ عالم میں اس کے ثمرات و برکات پھیل گئے ، شاید روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہا ہو گا جہاں ان کی جماعت کے قدم نہ پہنچے ہوں ، ماسکو فن لینڈ و اسپین سے لے کر چین و جاپان تک ان قافلوں کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام کے طریق دعوت سے بہت مشابہت رکھتی ہے ، اس کا انتظار نہیں کہ لوگ خود آئیں گے اور دین سیکھیں گے بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں چل پھر کر اور گھر گھر لوگوں کے پاس پہنچ کر دعوت دی جاتی ہے اور زبان سے ، حسن اخلاق سے اور اپنے طرز عمل سے دعوت دی جاتی ہے ، سر سے پیر تک اسلامی مجسمہ بن کر اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے اس کا اثر یقینی ہوتا ہے۔

سادہ اور عملی دعوت کا نمونہ تبلیغی جماعت

آج امت تقریر و تحریر کی محتاج نہیں ، یہ بہت کچھ ہو چکا ہے ، ضرورت عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے ، فصاحت و بلاغت کا دریا امت بہا چکی ہے لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے ، الحمد للہ کہ آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے ، بہر حال طبیب خود مریض کے پاس جاتا ہے اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مریض طبیب کے پاس پہنچے تو علاج ہو ، اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور امت کی اکثریت یا کم از کم بڑی کثرت اس مقصد کو شروع کر دے تو توقع ہو سکتی ہے کہ امت کو نجات مل جائے

اور بیڑہ پار ہو جائے، اگر امت پوری طاقت اسی طرح اصلاح ودعوت پر لگائے اور معاشرے کی اصلاح ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ اقتدار بھی انہی صالح ہاتھوں میں آجائے اور پھر جو کام سالوں میں ہوتے ہیں وہ منٹوں میں ہو جایا کریں، بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ پہلے معاشرے کی اصلاح کی جائے اگر اصلاح شدہ معاشرے کے افراد کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہو تو کامیابی یقینی ہے ورنہ امت کا وہی حشر ہوگا جو آج ہو رہا ہے اور اکثریت کے جو نمائندے مسند حکومت پر براجمان ہیں ان کا ''صورت ببین حالش مپرس'' والا قصہ ہے، اس طرح بلاشبہ کچھ دیر تو لگے گی، لیکن قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں دس پندرہ سال کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا، آج قوم کی کشتی جس خطرناک بھنور میں پھنس گئی ہے روزانہ اخبارات کے صفحات میں اس کو دیکھئے اور پڑھئے، حیرت واضطراب کی کوئی انتہا باقی نہیں رہتی، لے دے کر ایک عالم دین (حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ) مسند حکومت پر متمکن ہوا، مگر شیطانوں کے لئے اس کا وجود بھی ناقابل برداشت ہے، خدا جانے کتنی مشکلات ان کے لئے پیدا کی جارہی ہیں؟ کتنے روڑے ان کے راستے میں اٹکائے جارہے ہیں؟ تمام شیاطین الانس والجن مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں، الغرض جب تک معاشرے کی اصلاح نہ ہو جائے نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟ اللہ تعالی رحم فرمائیں۔

امت اسلامیہ کی زبوں حالی اور اس کا اصل علاج

تمام امت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہی اضطراب ہے نہ حکمرانوں کو چین نصیب ہے، نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں، مصیبت

بالائے مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے جو زہر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے، جو تباہی و بربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جا رہا ہے، جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں، انہی کو ذریعہ سعادت خیال کیا جا رہا ہے، ماسکو ہو یا واشنگٹن تمام جہنم کے راستے ہیں، کوئی بھی سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کا راستہ جو سراسر نجات وسعادت کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے نہیں سوچ رہا ہے جو صراط مستقیم جنت کو جا رہا ہے، اس سے بھٹک گئے ہیں، نہ معلوم کہ ارباب عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟ ارباب فکر کیوں فکر سے عاری ہو گئے؟ آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس لیے ہیں؟ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جا رہی ہے؟ خاکم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکوینی طور پر امت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہو گیا ہے؟ حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف وصریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ ورابطہ کوئی دین ومسلک قابل قبول نہ ہوگا، نجات اسی دین اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح وسعادت ہے، باقی تمام راستے شقاوت وہلاکت اور تباہی وبربادی کے راستے ہیں اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا جا رہا ہے:

﴿ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه﴾

ترجمہ: اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کی حکم برداری کے اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اور سورہ عصر میں تاریخ عالم کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باللہ، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر یہ چار باتیں نہیں ہوں گی ان کا

انجام تباہی و بربادی ہے، کیا اسی اسلام سے روگردانی کی اتنی بڑی سزا پاکستان اور پاکستانیوں کو نہیں ملی کہ چند لمحوں میں بارہ کروڑ آبادی کا عظیم ملک پانچ کروڑ کا چھوٹا سا ملک بن گیا؟ کیا بنگلہ دیش کے قضیہ سے دونوں طرف کے مسلمان عذاب الٰہی میں نہیں مبتلا ہوئے؟ اسلامی رابطہ اتحاد و اخوت ختم کر کے کیا دولت کمائی؟ آخرت سے پہلے دنیا کی رسوائی اور خسران و تباہی بھی دیکھ لی، افسوس کہ وہی غیر اسلامی سبق پھر یہاں مغربی پاکستان میں دہرایا جارہا ہے، وہی سندھی، پنجابی، بلوچ اور پٹھان کے ملعون نعرے یہاں بھی ابھر رہے ہیں، ارحم الراحمین کے غضب کو دعوت دینے والی صورتیں اختیار کی جارہی ہیں، طاغوتی طاقتیں جن کا ڈورا باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئے ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

نہ ارباب حکومت مرض کا صحیح علاج سوچ رہے ہیں، نہ ارباب دین دین کے تقاضوں کو پورا کررہے ہیں، نہ ارباب قلم زور قلم اصلاح حال پر خرچ کررہے ہیں، غور کرنے سے یہی معلوم و محسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا آخرت پر یقین یا تو ختم ہوگیا ہے یا اتنا کمزور ہوگیا کہ نہ ہونے کے برابر ہے، جنت وجہنم اور حیات ابدی کے تصور سے دل و دماغ خالی ہوگئے ہیں، تمام نعمتیں و آسائشیں صرف دنیا کی چاہتے ہیں، جب مرض یہ ہے یعنی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت، تو اب رہنمایان قوم کا فرض یہ ہے کہ اسی کا تدارک کریں اور اسی کا علاج سوچیں، گذشتہ چند سالوں کے تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو طریقہ علاج کا سوچا گیا اور عملا اس کو اختیار بھی کیا گیا وہ صحیح قدم نہ تھا، اخبارات بھی جاری کیے گئے، جماعتیں بھی بنائی گئیں، جلسے بھی کیے گئے، جلوس بھی نکالے گئے، مظاہرے بھی کیے گئے، جھنڈے بھی اٹھائے

گئے، نعرے بھی لگائے گئے، الیکشن بھی لڑے گئے، کچھ ممبر بھی منتخب ہو گئے، اسمبلی ہالوں میں پہنچ گئے، کچھ تقریریں بھی کیں، کچھ تجویزیں بھی پاس ہوئیں، لیکن یہ سب نقار خانے میں طوطے کی آواز بن کر رہ گئے، قوم سے چندے کیے گئے، کروڑوں روپے خرچ بھی کیے لیکن قوم جہاں تھی کاش وہیں رہتی ہزاروں میل پیچھے ہٹ گئی، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تدابیر اختیار نہ کی جائیں اور یہ بالکل عبث وضیاع وقت ہے لیکن اتنا تو واضح ہو گیا کہ یہ پورا علاج نہیں، یا اصل علاج نہیں اور یہ نسخہ مفید ثابت نہ ہوا، مرض کا ازالہ اس سے نہیں ہو سکا۔

اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ

بہر حال ان سیاسی تدبیروں کے ساتھ اب دینی سطح پر کام کی ضرورت ہے، اگر آپ کا شوق اس کا متقاضی ہے کہ سیاسی تدبیریں اختیار کی جائیں اور سیاسی حربے بھی استعمال ہوں اور آپ کی طبیعت اور ذوق ان وسائل کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں، اگرچہ ہماری دیانت دارانہ رائے یہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں، اور ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' والی مثال صادق آتی ہے، وقتی اور سطحی عوامی فائدے ہیں لیکن تاہم اگر آپ کا ذوق تسلیم نہیں کرتا تو ترک نہ کیجیے لیکن اصلی اور حقیقی و بنیادی کام اصلاح معاشرہ ہے، اللہ تعالی کی اس مخلوق کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور انبیائے کرام اور مصلحین امت کے طریقوں پر آسمانی ہدایت کی روشنی میں اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنی پوری طاقت انفرادی اجتماعی اصلاح امت پر خرچ کی جائے، گھر گھر بستی بستی پہنچ کر دعوت الی الخیر کا ربانی پیغام پہنچائیں، اجتماعات ہوں تو اسی مقصد کے لیے، جلسے اگر ہوں تو اسی بنیاد پر، مجلّات ہوں تو اسی

کام کے لیے ، اخبارات کے صفحات ہوں تو اسی مقصد کے لیے ، اور کاش کہ اگر حکومت کے وسائل حاصل ہوں اور ریڈیو وغیرہ کی پوری طاقت بھی اس پر خرچ ہو تو چند مہینوں میں یہ فضا تبدیل ہو سکتی ہے، بہر حال اس وقت یہ آرزو تو قبل از وقت ہے ،حکومت کی سطح پر جو وسائل نشر و اشاعت ہیں وہ ایمان کی روح سے آراستہ ہوں اور ایمانی حرارت اور نور ان میں جلوہ گر ہو ان کے ذریعہ اصلاح ہو، اب ضرورت اس کی ہے کہ آج کی نسل خدا ترس بن جائے ، ان کی اصلاح ہو، آج کی یہی نسل کل حکمران ہو ، تمام تر وسائل نشر واشاعت اور خبر رساں ایجنسیاں سب کے سب اشاعت اسلام و تزکیہ اخلاق کے سرچشمے ہوں ، پوری قوم نہ سہی اکثریت یا قابل اعتبار اہم اقلیت کی ہی اصلاح ہو جائے تو کل کرسی صدارت ہو یا کرسی وزارت ، منصب سفارت ہو یا وسائل نشر و اشاعت ہوں یہ سب کے سب تعلیم اسلام و تعلیم دین کے مراکز بن سکیں گے ، اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پاسبان خود چور بن گئے ہیں جو رہبر تھے وہ رہزن بن گئے ہیں ،تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں ''عیاں راچہ بیاں'' جو صورت حال ہے وہ سامنے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دین کی اہم ترین پکار یہی ہے کہ خدا کے لیے اٹھو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور سفینہ حیات کو ساحل مراد تک پہنچانے کی پوری جد و جہد کرو۔

نیز یہ چیز پیش نظر رہے کہ طاغوتی طاقتیں اور تمام تر فتنہ وفساد برسر کار ہیں اور نہایت تیزی سے سیلاب آرہا ہے کمزور و ناتواں کوشش کافی نہیں ،فساد معاشرے میں ایٹم بم کی رفتار سے پھیل رہا ہے، ظاہر ہے کہ کیڑے مکوڑوں کی رفتار سے مقابلہ کیا گیا تو کیونکر اصلاح ممکن ہوگی ؟ خدارا! یہ آگ جو لگ چکی ہے جلد سے جلد

بجھانے کی کوشش کرو ورنہ تمام قوم وملک اس کی شعلوں کی نذر ہو جائے گا، افسوس وتعجب سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو وہ فورا بجھانے کی تدبیر میں لگ جاتا ہے کوتاہی نہیں کرتا لیکن دین اسلام کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے صدیوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ نذر آتش ہونے کے قریب ہے لیکن ہم اطمینان سے بیٹھ کر تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

ارکان اسلام کی نئی تعبیر

دین سے انحراف

جس طرح نماز، زکاۃ، روزہ اور حج اسلام کے بنیادی احکام و عبادات ہیں اور دینِ اسلام میں ان کے مخصوص معنی اور مصداق ہیں، قرآن و حدیث کی نصوص اور حضرت رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے تعامل سے ان کی حقیقتیں اور عملی صورتیں واضح و مسلم ہو چکی ہیں اور چودہ سو سال میں امتِ محمدیہ اور اس کے علماء و محققین ان کو جس طرح سمجھتے اور عمل کرتے چلے آئے ہیں، اس تواتر و توارث عملی نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے، اب ان عبادات و احکام اور ان نصوص کی تعبیرات کو ان کے متواتر شرعی معانی سے نکال کر کوئی نئی تعبیر اور نیا مصداق قرار دینا یقیناً دین سے کھلا ہوا انحراف ہے، ٹھیک اسی طرح کفر، نفاق، الحاد، ارتداد اور فسق بھی اسلام کے بنیادی احکام ہیں، دینِ اسلام میں ان کے بھی مخصوص و متعین معنیٰ اور مصداق ہیں، قرآن کریم اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قطعی طور پر ان کی تعیین و تحدید فرما دی ہے، ان الفاظ کو بھی ان شرعی معانی و مصادیق سے نکالنا کھلا ہوا دین سے انحراف ہوگا اور ان کو از سرِ نو محلِ بحث و نظر بنانا اور امت نے چودہ سو سال میں ان کے جو معنی اور مفہوم سمجھے اور جانے ہیں نو بنو تاویلیں کر کے ان سے ہٹانا کھلا ہوا الحاد و زندقہ ہوگا۔

ایمان کا تعلق قلب کے یقین سے ہے اور خاص خاص چیزیں ہیں جن کو باور کرنا اور ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے جو کوئی ان کو نہ مانے قرآن کریم کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں اس کا نام کفر ہے' اور وہ شخص کافر ہے۔ جس طرح ترکِ نماز' ترکِ زکاۃ' ترکِ روزہ اور ترکِ حج کا نام فسق ہے' بشرطیکہ ان کے فرض ہونے کو مانتا ہو' صرف ان پر عمل نہ کرتا ہو اور اگر انہی تعبیرات' صلاۃ' زکاۃ' صوم' حج کو اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص ان کو معروف و متواتر شرعی معنی سے نکال کر غیر شرعی معنی میں استعمال کرے یا ان میں ایسی تاویلیں کرے جو چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی بھی عالمِ دین نے نہ کی ہوں تو اس کا نام قرآن کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں الحاد ہے۔

قرآن کریم نے ان الفاظ' کفر' نفاق' الحاد' ارتداد کو استعمال فرمایا ہے اور جب تک روئے زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا' یہ الفاظ بھی انہی معانی میں باقی رہیں گے۔

اب یہ علماءٔ امت کا فریضہ ہے کہ وہ امت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں کہاں صحیح ہے اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مومن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے' اسی طرح ان ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ نیز علماءٔ امت کا یہ بھی فرض ہے کہ ان حدود و تفصیلات کو یعنی ایمان کے تقاضوں کو اور ان کفریہ عقائد و اعمال و افعال کو متعین کریں جن کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے' تاکہ نہ کسی مومن کو کافر اور اسلام سے خارج کہا جا سکے اور نہ کسی کافر کو مومن و مسلمان کہا جا سکے، ورنہ اگر کفر و ایمان کی حدود اس

طرح مشخص و متعین نہ ہوئیں تو دینِ اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور جنت وجہنم افسانے۔

یاد رکھیئے! اگر ایمان ایک متعین حقیقت ہے تو کفر بھی ایک متعین حقیقت ہے' اگر کفر کے لفظ کو ختم کرنا ہے اور کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا ہے پھر ایمان واسلام کا بھی نام نہ لو اور کسی بھی فرد یا قوم کو نہ مومن کہو نہ مسلمان' رات کے بغیر دن کو دن نہیں کہہ سکتے' تاریکی کے بغیر روشنی کو روشنی نہیں کہہ سکتے' پھر کفر کے بغیر اسلام کو اسلام کیونکر کہہ سکتے ہو؟ اور پھر یہ کہنا اور فرق کرنا بھی سرے سے غلط ہوگا کہ: ''یہ مسلمانوں کی حکومت سیکولر اسٹیٹ یعنی لادینی حکومت ہوگی'' غرض کفر اور کافر کا لفظ ختم کرنے کے بعد تو ''اسلامی حکومت'' کا دعویٰ ہی بے معنی ہوگا یا پھر یہ لفظ الیکشن جیتنے کے لئے ایک دل کش نعرہ اور حسین فریب ہوگا۔

غرض یہ ہے کہ علماء پر کچھ بھی ہو' رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد ہے اور رہے گا کہ وہ کافر پر کفر کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانت داری اور علم وتحقیق سے کام لیں اور ملحد وزندیق پر الحاد وزندقہ کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن وحدیث کی نصوص وتصریحات کی رو سے اسلام سے خارج ہو' اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ لگائیں' جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور قیامت نہ آجائے ، چونکہ کفر واسلام کے حکم لگانے کا معاملہ بے حد اہم اور انتہائی نازک ہے اور ایک شخص جذبات کی رو میں بھی بہہ سکتا ہے اور کفر ورائے میں غلطی بھی کر سکتا ہے' اس لئے علماء امت کی ایک معتمد علیہ جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ یقیناً حقیقت پر مبنی اور شک وشبہ سے بالا تر ہو جائے گا۔

بہر حال کافر، فاسق، ملحد، مرتد وغیرہ شرعی احکام و اوصاف ہیں اور فرد یا جماعت کے عقائد یا اقوال و افعال پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ ان کی شخصیتوں اور ذاتوں پر، اس کے برعکس گالیاں جن کو دی جاتی ہیں ان کی ذاتوں اور شخصیتوں کو دی جاتی ہیں، لہذا اگر یہ الفاظ صحیح محل میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ شرعی احکام ہیں، ان کو ''سب وشتم'' اور ان احکام کے لگانے کو ''دشنام طرازی'' کہنا یا جہالت ہے یا بے دینی، ہاں کوئی شخص غیظ و غضب کی حالت میں یا ازراہِ تعصب و عناد کسی مسلمان کو ''کافر'' کہہ دے تو یہ بے شک ''گالی'' ہے اور یہ گالی دینے والا خود فاسق ہوگا اور تعزیر کا مستحق، اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی واقعی مسلمان کو ''کافر'' کہہ دے تو یہ کہنے والا خود ''کافر'' ہو جائے گا۔

علماءِ حق جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو درحقیقت ''ایک کافر کو کافر بتلانے والے'' اور مسلمانوں کو اس کے کفر سے آگاہ کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ اس کو ''کافر بنانے'' والے، کافر تو وہ خود بنتا ہے جب کفریہ عقائد یا اقوال و افعال کا اس نے ارتکاب کیا اور ایمان کے ضروری تقاضوں کو پورا نہیں کیا تو وہ باختیارِ خود کافر بن گیا، لہذا یہ کہنا کہ ''مولویوں کو کافر بنانے کے سوا اور کیا آتا ہے'' سراسر جہالت ہے یا بے دینی۔

اگر علماءِ ایمانی حقائق اور اسلام کی حدود کی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کا نام ہی صفحۂ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، جس طرح کسی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی مملکت کی حدود کی حفاظت کرے اور ان کے تحفظ کے لئے فوجی طاقت اور دفاعی سامان جنگ وغیرہ کی تیاری میں ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو، اسی طرح ایمان، اسلام، اسلامی معاشرہ، مسلمانوں کے ''دین و ایمان'' کو ملحدوں، افترا پردازوں اور جاہلوں

کے حملوں سے محفوظ رکھنا ٔعلمائ حق اور فقہاء امت کے ذمہ فرض ہے ٔ ابھی چند دنوں کا قصہ ہے جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور حکومتِ پاکستان نے ''جہاد'' کا اعلان کیا اور پاکستان کی افواجِ قاہرہ اور عوام نے اس جہاد میں جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا تو بھارت کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ ''پاکستان'' اسلامی حکومت'' نہیں ہے اور یہ لڑائی ''اسلامی جہاد'' نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ہندوستان بھی اسی طرح دارالاسلام ہے جس طرح پاکستان۔ ''اسلامی قانون'' نہ وہاں نافذ ہے نہ یہاں ''مسلمان'' وہاں بھی رہتے ہیں یہاں بھی۔ ''بھارت کو یہ کہنے کا موقعہ کیوں ملا؟ صرف اس لئے کہ نہ پاکستان میں ''اسلامی قانون'' نافذ ہے اور نہ ''اسلامی معاشرہ'' موجود ہے۔ یہ ہماری وہ کمزوریاں ہیں جن سے دشمن نے ایسے نازک موقعہ پر فائدہ اٹھایا ٔ اگر اس ملک کے اندر ''نبوت'' کا مدعی اور ''ختم نبوت'' کا منکر مرزا غلام احمد قادیانی کی ''امت'' (مرزائی فرقہ) بھی مسلمان ہے اور پورے اسلام کے چودہ سو سالہ اسلامی عبادات ومعاملات کے نقشہ کو مٹا ڈالنے والا اور جنت ودوزخ سے صریح انکار کرنے والا غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت بھی مسلمان ہے اور اگر قرآن کے منصوص احکام کو عصری تقاضوں کے سانچوں میں ڈھالنے والا ''سنتِ رسول'' کو ایک ''تعاملی اصطلاح اور'' رواجی قانون'' بتلانے والا ''سود'' کی حرمت سے قرآن کو خاموش بتاکر حلال کرنے والا بھی نہ صرف مسلمان ہے بلکہ ''اسلامی تحقیقاتی ادارہ'' کا سربراہ ہے تو پھر یاد رہے کہ محض قرآن کریم کو ''زردوزی'' کے سنہری حروف'' میں لکھوانے سے قرآن کی حفاظت قیامت تک نہیں ہوسکتی اور یہ دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے یا پھر عوام کو بے وقوف بنانے کا ہتھکنڈہ ہے۔

ابھی کل تک یہی ''ملحدین'' مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ ''قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ ریشمی رومالوں میں لپیٹ کر اس کو بوسے دیئے جائیں، پیشانی سے لگایا جائے اور سروں پر رکھا جائے۔ یہ تو مسلمانوں کے لئے ایک عملی قانون ہے، عمل کرنے کے لئے نازل ہوا ہے''۔ پھر آج اس حقیقت سے یہ بے اعتنائی کیوں ہے کہ ''باہمی رضامندی سے زنا کو'' جرم نہیں قرار دیا جاتا۔ ''بینکاری سود'' کو شیرِ مادر کی طرح حلال قرار دے کر خود حکومت سود لے رہی اور دے رہی ہے ''ریس کورس'' جیسی مہذب قمار بازی کے، شراب کی درآمد و برآمد اور خرید وفروخت کے لائسنس دیئے جارہے ہیں، نکاح وطلاق و وراثت کا قانون سب صریح قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف جاری ہے، جرائم اور سزاؤں کا تو کہنا ہی کیا؟ غرض قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ کر'' قانون سازی' کا سلسلہ جاری ہے اور زردوزی کے سنہری حرفوں میں لکھوا کر قرآن عظیم کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا جارہا ہے، نہایت صبر آزما حقائق ہیں، آخر مسلمانوں کو کیا ہوگیا کہ واضح حقائق کی فہم کی توفیق بھی سلب ہوگئی؟ **اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔**

علمی اور عملی فتنوں کا علاج

بہرحال میرا ناقص خیال ہے کہ جتنے عملی فتنے رونما ہورہے ہیں ان کی اصلاح کے لئے یہ طریقۂ دعوت اور اس میں شمولیت بلاشبہ مؤثر نسخہ اور علاج ہے لیکن علمی فتنوں کے لئے ٹھوس علم کی ضرورت ہے، آج کل اعداء اسلام مستشرقین وغیرہ اسلام کے بنیادی مسائل کو ڈائنا میٹ لگا رہے ہیں، قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں شبہات، حدیث رسول ﷺ میں وساوس، فقہ اسلامی پر تنقیدات واعتراضات، ان

علمی فتنوں کی سرکوبی کے لئے ٹھوس علم دین، جدید علم کلام، جدید سائنس، معلومات عامہ، حسن تحریر، شگفتہ بیانی، سنجید متوازن دماغ، پیہم کوشش اور صالح ومؤثر لٹریچر کی ضرورت باقی رہے گی۔

علم سے ناواقف تبلیغی حضرات کا غلو

جو علم سے ناواقف تبلیغی حضرات یہ تصور قائم کر لیتے ہیں کہ اب نہ مدارس کی ضرورت ہے نہ خانقاہوں کی، یہ غلو ہے، جہل ہے، علم دین تو تمام دینی کاموں کے لئے بنیاد ہے، امت علوم دینیہ سے کسی وقت بھی بے نیاز نہیں ہوسکتی، جب مسلمانوں میں علمی فتنوں کا دور زیادہ نہ تھا اس وقت بھی علوم اسلامیہ میں مہارت کی اہمیت سے انکار نہیں ہوسکتا تھا، سابقہ ادوار میں ارباب اقتدار کو علمی فتنوں کے عام کرنے کا موقع بہت کم ملا، شخصی طور سے فتنے برپا کئے جاتے تھے، صرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے دور میں مامون عباسی کو اقتدار کے ذریعہ ''خلق قرآن'' کا فتنہ مسلط کرنے کا موقع ملا اور اس کے بعد امین ومعتصم، لیکن آج تو برطانوی وامریکی اور روسی اقتدار کے سایہ میں فتنوں پر فتنے پرورش پا رہے ہیں اتنی بڑی بڑی طاقتور حکومتیں خود مختلف راستوں سے علمی فتنے پھیلانے میں مصروف ہیں، اگر علماء امت نہ ہوتے اور ان کے دانت کھٹے نہ کرتے تو آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور خاکم بدہن اسلام صفحۂ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، یہ تو ان بوریہ نشین علماء کے کارنامے ہیں کہ آج بھی اسلام باقی ہے اور جو کچھ حصہ باقی باقی نظر آرہا ہے وہ سوکھی روٹی کھانے والوں کا رہین منت ہے، بہرحال عصر حاضر کے علمی فتنوں کے پیش نظر علمی خدمات اور علمی مدارس کی اہمیت پہلے سے ہزار گنا زیادہ ہے، نیز آج کے پرآشوب دور میں جب عقیدۂ اسلامی بہت کمزور ہوگیا ہے اس کی حفاظت کیلئے علم

دین کی ضرورت بہت زیادہ ہے لینن وکارل، مارکس و ماؤزے تنگ کے اقتصادی فلسفوں کے سرکوبی کے لئے حاذق علماء کی ضرورت ہے، ہاں! یہ ضروری ہے کہ ارباب علم پوری طرح جدید علمی ہتھیاروں سے مسلح ہوں تاکہ صحیح مقابلہ ہو سکے، عصری تقاضوں کے پیش نظر جدید علمی تربیت سے آراستہ ہونا اور جدید معلومات فراہم کرنا اور نئی دنیا سے باخبر ہونا بے حد ضروری ہے، بس شکوہ اگر ہے تو اس کا ہے کہ صحیح پختہ کار علماء کا وجود کبریت احمر ہے۔

بہر حال خدمت دین اور اسلام کو ان علمی فتنوں سے بچانے کے لئے محقق اور بابصیرت ارباب علم کی بے انتہا ضرورت ہے اور ان علمی خدمات کو مؤثر بنانے کے لئے انتہائی اخلاص کی شدید حاجت ہے، نرے علم پر مطلوبہ ثمرات مرتب نہیں ہو سکتے جب تک علم کے ساتھ اخلاص نہ ہو، قبولیت عند اللہ کے لئے اخلاص کا ہونا تو بالکل واضح ہے، لیکن علمی خدمات پر صحیح اثرات مرتب ہونے کے لئے بھی اخلاص کے بغیر چارۂ کار نہیں، گویا قبول عند الناس بھی ثمرہ ہے قبول عند اللہ کا، کہنا یہ کہ تبلیغی خدمات اور موجودہ طرز پر دین کا جو کام ہو رہا ہے بلاشبہ دین ہے اور اہم جزو دین، لیکن یہ سمجھنا کہ بس یہی دین ہے اور اس کے بعد علم دین کی ضرورت نہیں، یہ بالکل غلط بلکہ گمراہی ہے۔

آج کل ایک سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ جو ارباب علم ہیں وہ صرف علم اور تعلیم پر قناعت کر کے بیٹھ گئے ہیں اور جو ارباب عمل اور ارباب دعوت ہیں وہ اپنے آپ کو علم اور علماء سے مستغنی سمجھتے ہیں، علماء کو میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے اور ارباب عمل کو علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ قدم قدم پر اخلاص کی ضرورت ہے، جب علم وعمل واخلاص تینوں جمع ہو جائیں گی تو اس کے لئے

بہترین نتائج و برکات ظاہر ہوں گے مزید برآں سراپا اخلاص بن کر بھی حق تعالی کی توفیق وفضل کی ضرورت ہے، افسوس کہ مادیت کے اس دردناک دور میں تمام دینی اقدار ختم ہوگئے اور یہ سارے دینی کلمات صرف بے معنی الفاظ رہ گئے، مسلمانوں کے معاشرے میں اتنا شدید انقلاب آگیا کہ تمام دینی اصطلاحیں مسلمانوں کی زندگی میں بے حقیقت الفاظ رہ گئے، اگر حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ اور دور اول کے مسلمان زندہ ہوکر ہمارے دور حاضر کے نام لیوا مسلمانوں کی زندگیاں دیکھ لیں تو کیا فرمائیں؟

اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے صحیح اسلام پر قائم رکھے اور صحیح مسلمانوں کے خدوخال کی حفاظت فرمائے اور تقوی وطہارت کی حیات طیبہ نصیب فرماکر فوز وفلاح کے مدارج عالیہ سے نوازے، آمین۔

جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب

علم، دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا، وہ بہرحال انسانیت کے لئے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل و کمال سے آراستہ ہونا اور میراثِ انسانیت کا حاصل کرنا ہے، موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں:

۱- دینی علوم ۲- دنیاوی علوم۔

دینی علوم کے اصل ثمرات و برکات تو آخرت ہی میں ظاہر ہوں گے، تاہم جب تک دنیا میں اسلام کی عزت و رفعت کا دور دورہ رہا، دنیا میں بھی اس کی منفعتیں ظاہر ہوتی تھیں، علمائے دین، قاضی، قاضی القضاۃ، مفتی اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے محاکمِ عدلیہ اور محاکمِ احتساب کے مناصب پر فائز ہوتے تھے، ملک و ملت کے لئے ان کا وجود سایۂ رحمت سے کم نہیں تھا، ان کی خدا ترسی، حق پسندی اور عدل پروری کی بدولت معاشرہ میں امن و عافیت کی فضا قائم تھی اور اسلام کے عادلانہ احکام کا نفاذ بہت سے معاشرتی امراض سے حفاظت کا ضامن تھا۔

الغرض دینی مناصب کے لئے علمائے دین ہی کا انتخاب و تقرر ہوتا تھا اور آج بھی جن ممالک میں اسلامی نظام کسی حد تک رائج ہے، اس کے کچھ نمونے موجود

ہیں اور دنیوی علوم جن کا تعلق براہِ راست دنیا کے نظام سے تھا' مثلاً فلسفہ' منطق' تاریخ' جغرافیہ ریاضی' ہیئت' حساب' طب وجراحت وغیرہ ان کے لئے تو حکومتی مناصب بیشمار تھے۔

علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی' محض موضوع کے لحاظ سے ہے' مگر اس کے معنی دین ودنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں' چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انہیں خدمتِ خلق' اصلاحِ معاش اور تدبیر سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آ جاتے ہیں اور اس کے لئے احادیثِ نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں' مثلاً ایک حدیث میں ہے:

''من تعلم علماً مما یبتغیٰ به وجه الله لایتعلمه الا لیصیب به عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة' یعنی ریحها''۔ (مشکوٰۃ شریف:۳۴)

ترجمہ:''جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوسکتی ہے اور پھر اس کو متاعِ دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

''من طلب العلم لیجاری به العلماء او لیماری به السفهاء او یصرف به وجوه الناس الیه ادخله الله النار''۔ (مشکوٰۃ شریف:۳۴)

ہے:

''من تعلم علماً مما یبتغیٰ به وجه الله لایتعلمه الا لیصیب به عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة' یعنی ریحها''۔ (مشکوۃ شریف:۳۴)

ترجمہ: ''جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوسکتی ہے اور پھر اس کو متاعِ دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

''من طلب العلم لیجاری به العلماء او لیماری به السفهاء او یصرف به وجوه الناس الیه ادخله الله النار''۔ (مشکوۃ شریف:۳۴)

ترجمہ: ''جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے''۔

بہرحال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلبِ آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے، گویا اصل مدار مقاصد و نیات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون و مددگار، اور صنعت و حرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک صالح معاشرہ کا قیام ہونا چاہئے اور یہ مقصد اسی

صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص جس شعبۂ زندگی سے منسلک ہو، وہ اس شعبہ سے متعلق بقدر ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو، مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو، انجینئر ہو تو عالم ہو، طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو، حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں جو خلافتِ راشدہ کا تابناک دور ہے، ایک قانون یہ تھا:

''لایبع فی سوقنا ھذا من لم یتفقه فی الدین''

ترجمہ: ''جو شخص فقیہ (دینی مسائل کا ماہر) نہ ہو اس کو ہمارے بازار میں خرید و فروخت کی اجازت نہیں''۔

گویا دنیا کمانے کے لئے بھی علمِ دین کی ضرورت ہے، تاکہ حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ہو سکے اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر و کمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا اور اب ایک دور ایسا آ گیا ہے کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا، بلکہ اب تو اس میں بھی اس قدر تنزل رونما ہوا ہے کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہو کر رہ گئیں، اب تو واحد مقصد صرف ''پیٹ'' رہ گیا ہے، دنیا کے ہر علم و ہنر اور فضل و کمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ جہنم بھر جائے۔

جدید تعلیم اور اس کا مقصد

قدیم اصطلاح میں تو دینی علم ہی علم کہلانے کا مستحق تھا، دنیاوی علوم کو فنون یا ہنر سے تعبیر کیا جاتا تھا، مگر آج کی اصطلاح یہ ہوگئی ہے کہ قدیم علوم کے ماہر کو عالم کہا جاتا ہے اور جدید علوم کے ماہرین کو ''تعلیم یافتہ'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے،

برطانوی دور میں اس جدید تعلیم کا مقصد بلاشبہ یہی سمجھا گیا تھا کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تیار ہونے والے افراد سرکاری مشینری کے کل پرزے بنیں گے، کیونکہ اس اجنبی ملک میں حکومت کی انتظامی ضرورت پوری کرنے کے لئے ان کو ایک ایسی نسل کی ضرورت تھی جس سے ان کی حکومت کا کاروبار چل سکے، وہ انگلستان سے اتنے انگریز یہاں نہیں لاسکتے تھے کہ اتنے بڑے برّکوچک کا تمام کام سنبھال سکیں، انہیں دنیا کے دوسرے ممالک پر بھی حکمرانی کرنی تھی، کلیدی مناصب تو ضرور وہ اپنوں ہی کو دیا کرتے تھے یا پھر ان کو جو سوفیصد ان کے حاشیہ بردار بن جائیں، مگر نیچے درجہ کے لئے انہیں یہیں سے آدمی مہیا کرنے تھے، علاوہ ازیں اس جدید تعلیم سے انگریز کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی لوگ انگریزی تہذیب وتمدن کے اتنے دلداہ ہوجائیں کہ ظاہر و باطن میں انگریز ہی انگریز نظر آئیں اور لارڈ میکالے کی پیش گوئی پوری ہوجائے۔

الغرض یہ ذہنیت انگریزی دور کی پیداوار ہے کہ تعلیم حاصل کرنا صرف ملازمت کے لئے ہے، ظاہر ہے کہ تعلیم کی رفتار میں ہرسال تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور سرکاری مناصب اور ملازمتیں محدود ہیں، تعلیمی تناسب سے ان میں اضافے کا امکان نہیں، نہ یہ ممکن ہے کہ تمام تعلیم یافتہ افراد کو سرکاری ملازمتوں میں کھپایا جاسکے اور یہ تو طلبہ کا مسئلہ تھا، اس پر مستزاد یہ کہ طالبات بھی اب تعلیم کے میدان میں اسی تیز رفتاری سے ترقی کررہی ہیں اور وہ بھی ملازمت کی خواہاں ہیں، جب نئی نسل کو مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو ان میں بے چینی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ اس عبرت ناک منظر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو گذشتہ دنوں کراچی یونیورسٹی میں تقسیم اسناد کے موقعہ پر دیکھنے میں آیا کہ گورنر تک کے لئے آبرو بچانا مشکل ہوگیا، یہ

ہیں جدید تعلیم کی برکات اور یہ ہیں جدید تعلیم یافتہ حضرات ''ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار'' یہ صورتِ حال تمام اہلِ دانش اور اربابِ اقتدار کے لئے لمحہ فکریہ ہے' اگر جدید نسل کے اس ذہنی کرب کا صحیح حل تلاش نہ کیا گیا تو اس کے نتائج اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب

ہمارے نزدیک کرب و بے چینی کے متعدد اسباب ہیں' سب سے اہم تو یہ ہے کہ جدید تعلیمی اداروں میں دینی ماحول' دینی تربیت اور دینی ذہن وفکر کی ضرورت کو کبھی محسوس نہیں کیا گیا' بلکہ اس کے برعکس نئی نسل کو دین سے بیزار کرنے کے تمام اسباب وسائل مہیا کئے گئے' دین کو ''ملائیت'' کا نام دے کر نوخیز ذہنوں کو اس سے نفرت دلائی گئی' علمائے دین کے لئے طرح طرح کے القاب تجویز کر کے انہیں ''تعلیم یافتہ'' طبقہ کی نظر میں گرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی' ذرائع نشر واشاعت کو تمام حدود وقیود سے آزاد کر کے انہیں بد دینی کا مبلغ بنا دیا گیا' اس پر مستزاد یہ کہ لادینی نظریات کا پرچار کرنے کے لئے مستقل ادارے قائم ہوئے اور سرکاری طور پر ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی گئی' اب خود سوچئے کہ جس نوخیز نسل کے سامنے گھر کا پورا ماحول بے دین ہو' تعلیم گاہوں میں دینی ماحول کا فقدان ہو' گلی کوچوں سڑکوں اور بازاروں سے بے دینی کا غلیظ اور مسموم دھواں اٹھ رہا ہو' زندگی کے ایک ایک شعبہ سے دین کو کھرچ کھرچ کر صاف کر دیا گیا ہو' والدین سے اساتذہ تک اور صدر سے چپراسی تک نئی نسل کے سامنے دینداری' خدا ترسی اور خوف آخرت کا کوئی نمونہ سرے سے موجود نہ ہو اور جس ملک میں قدم قدم پر فواحش ومنکرات' بے حیائی

وبداخلاقی اور درندگی وشیطنت کا سامان موجود ہو کیا آپ وہاں کی نئی نسل سے دینداری شرافت اور انسانی قدروں کے احترام کی توقع کر سکتے ہیں؟ جس نسل کا خمیر تخریب سے اٹھایا گیا ہو کیا وہ کوئی تعمیری کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ جو خود معاشرہ کے عمومی بگاڑ کی پیداوار ہو' کیا وہ کسی درجہ میں بھی معاشرہ کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے؟

تم لاکھ تعلیمی ترقی اور اعلیٰ تہذیب کے ڈھنڈورے پیٹو' لیکن خوب یاد رکھو' تعلیم کا ماحول جب تک دینی نہیں ہوگا' نئی نسل کے سامنے والدین' اساتذہ اور اہم شخصیتوں کی شکل میں اخلاق وانسانیت اور دینداری وخدا خوفی کے اعلیٰ نمونے جب تک موجود نہیں ہوں گے' تعلیم میں جب تک دینی تربیت مطمح نظر نہیں ہوگی اور جب تک اخلاق واعمال' جذبات وعواطف اور رجحانات ومیلانات کی اصلاح نہیں ہوگی' تب تک یہ مصیبت روز افزوں ہوتی جائے گی' تعلیم سے جب اسلامی روح نکل جائے' اخلاق تباہ ہو جائیں' انسانی قدریں پامال ہو جائیں اور مقصد زندگی صرف حیوانیت اور شکم پروری رہ جائے تو اس تعلیم کے یہ دردناک نتائج ظاہر نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

صد حیف! کہ آج انسانیت کی پوری مشین ''پیٹ'' کے گرد گھومنے لگی ہے' آج کی تمام تعلیم' تمام تربیت اور تمام تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے تقاضے کیسے پورے کئے جائیں' دین جاتا ہے تو جائے' اخلاق مٹتے ہیں تو مٹیں' انسانیت پامال ہوتی ہے تو ہو مگر ہمارے حیوانی تقاضے اور نفسانی خواہشات بہرحال پوری ہونی چاہئیں' نہ دین سے تعلق' نہ اخلاق سے واسطہ' نہ انسانیت کا شعور' نہ افکار صحیح' نہ خیالات درست' نہ خدا کا خوف' نہ آخرت کی فکر' نہ مخلوق سے حیا۔ انا للہ وانا

الیہ راجعون۔

جدید تعلیم اور اس کے چند مہلک ثمرات

اسی جدید تعلیم اور اس کے لادینی نظام نے لسانی عصبیت اور صوبہ پرستی کی لعنت کو جنم دیا، جس کی وجہ سے مشرقی بازو کٹ گیا اور اب کراچی اور سندھ میں بھی شب وروز اس کے دردناک مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں، نہ معلوم اس بدنصیب قوم کا انجام کیا ہوگا، انسانی اقدار اور احترامِ انسانیت کا شعور پیدا کرنے کے لئے دین ومذہب کے سوا کوئی چارہ نہیں، ہم بارہا ان صفحات میں صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ آخرت کی نجات اور دنیا کی سعادت صرف اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات واحکامات میں مضمر ہے، اس کے سوا خسارہ ہی خسارہ ہے، تعلیم کا مقصد روح کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی، سیرت وکردار کی بلندی اور ظاہر وباطن کی طہارت ونظافت ہونا چاہئے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس تعلیمی قالب میں دینی روح بطور مقصد جلوہ گر ہو اور جب تم اپنے وسائل کی پوری قوت سے دین کو ختم کررہے ہو اور دین کا مضحکہ اڑا کر اسے رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہو تو اس کے بدترین نتائج کے لئے بھی تیار رہو:

خرمانتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم

فتنۂ آزادیٔ نسواں و بے پردگی

نئی نسل کے کرب و اضطراب کا ایک بڑا سبب صنف نازک کے بارے میں غلط روی پر مسلسل اصرار ہے، اسلام نے عورت کو عزت و احترام کا جو مقام بخشا ہے وہ نہ کسی قدیم تہذیب میں اسے حاصل ہوا تھا، نہ جدید ترقی یافتہ تہذیب کو اس کی ہوا لگی ہے، اسلام نے اس کے تمام حقوق دلوائے، اسے ماں بہن اور بیٹی کے نہایت قابل احترام القاب سے سرفراز کیا، مرد و عورت کے درمیان نہایت مقدس ازدواجی رشتہ قائم کر کے دونوں کی زندگی کو سراپا امن وسکون بنانے کی ضمانت دی، عورت کے تمام حقوق ونفقات کا بوجھ مرد کے ذمہ ڈالا، اس کو گھر کی ملکہ بنا کر گھر کا سارا نظم ونسق اس کے سپرد کیا، اولاد کے بہترین اتالیق کی حیثیت سے اسے پیش کیا، مرد وزن کے الگ الگ دائرہ کار کی حد بندی کی، دونوں کے لیے ایسے عادلانہ احکام وضع فرمائے کہ یہ رشتہ نفسیاتی طور پر محبت وخلوص کا مجسمہ بن جائے، گھر کے انتظامی معاملات عورت کے سپرد کر کے مرد کو گھر کی فکر سے یکسو کر دیا اور باہر کی تمام ضروریات کا بار مرد پر ڈال کر عورت کو فکر معاش سے آزاد کر دیا تا کہ دونوں جانب سے احسان مندی اور قدر شناسی کے جذبات پروان چڑھیں۔

ایک پرفریب نعرہ آزادیٔ نسواں

مگر جدید تہذیب نے ان تمام مصالح و اسرار کو غارت کر کے ''آزادیٔ نسواں'' کا ایک پرفریب نعرہ ایجاد کیا اور صنف نازک کو گھر کی سلطنت سے باہر نکال کر گلی کوچوں میں رسوا کیا اور زندگی کی پرخار وادیوں میں اسے مردوں کے دوش بدوش چلنے پر مجبور کیا جو فرائض مردوں کے ذمہ تھے ان کا بوجھ بھی عورتوں پر ڈالا، اس کے بعد ''تعلیم نسواں'' کے فسون ساحری نے عورت کو جدید تعلیم اور جدید تہذیب کے قالب میں ڈھالا اور اب عورتوں کے لئے اعلی تعلیم ایک فیشن بن گیا، ڈگری حاصل کرنے کے بعد اب ضرورت ہے کہ ملازمتوں میں انہیں بھی برابر کا حصہ دیا جائے، پہلے مردوں کے لئے ملازمت کی جگہ کا سوال تھا، اب عورتوں کے لئے ملازمت کا اس پر مزید اضافہ ہوگیا۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ جدید طبقہ کس ذہن سے سوچنے کا عادی ہو چکا ہے، اس لئے ہمیں توقع نہیں کہ اس گرداب بلا میں پھنس جانے کے باوجود وہ کسی ناصح مشفق کی بات سننا گوارا کرے گا تاہم ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ جدید تہذیب نے عورت سے بدترین مذاق کر کے شرف انسانیت کو بٹہ لگا دیا ہے۔

پردہ عورت کا فطری حق ہے

پردہ عورت کا فطری حق ہے، عورت گھر میں ہو یا بازار میں، کالج میں ہو یا یونیورسٹی میں یا دفتر اور عدالت میں ہو وہ اپنی فطرت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے وہ جہاں ہوگی اس کے ضمیر کی خلش اور فطرت کی آواز اسے پردہ کرنے پر مجبور کرے گی، وہ بے دین قومیں جو عورت کی فطرت سے اندھی اور خالق فطرت کے احکام سے نا

آشنا ہیں وہ اگر عورت کی پردہ دری کے جرم کا ارتکاب کریں تو جائے تعجب نہیں، مگر ایک مسلمان جس کے سامنے خدا اور رسول کے احکام اور اس کے اکابر کا شاندار ماضی موجود ہو، اس کا اپنی بہو وبیٹیوں کو پردے سے باہر لے آنا مردہ ضمیری کا قبیح ترین مظاہرہ ہے، عورت کی ساخت وپرداخت اس کی عادات واطوار اور اس کی گفتار ورفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے اس ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔

جدید تہذیب اور عورت

ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت وتقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت ونزہت سے چاند شرماتا تھا اسے پردہ سے باہر لاکر اس سے ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام لیا گیا، جدید تہذیب میں عورت زینت خانہ نہیں شمع محفل ہے اس کی محبت وخلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لئے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی وزیبائی وقف تماشائے عالم ہے، وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں، بلکہ وہ بازاروں کی رونق ہے، آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی، اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہوسکتی ہے، کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا جدید تہذیب نے عورت پر یہی احسان کیا؟ کیا یہی آزادیٔ نسواں ہے جس کے لئے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے تھے؟

عورت پر ظلم یا احسان!

اسلام کی نظر میں عورت ایک ایسا پھول ہے جو غیر محرم نظر کی گرم ہوا سے فوراً

مرجھا جاتا ہے اسے پردہ سے باہر لانا اس کی فطرت کی توہین ہے، ادھر عورتیں پردے سے باہر آئیں ادھر انہیں زندگی کی گاڑی میں جوت دیا گیا، تجارت کریں تو عورت، وکالت کریں تو عورتیں، صحافت کے شعبہ میں جائیں تو عورتیں، عدالت کی کرسی پر متمکن ہوں تو عورتیں، اسمبلی میں جائیں تو عورتیں، الغرض کاروباری زندگی کا وہ کون سا بوجھ تھا جو مظلوم عورت کے نازک کاندھوں پر نہیں ڈال دیا گیا، سوال یہ ہے کہ جب یہ تمام فرائض عورتوں کے ذمہ آئے تو مرد کس مرض کی دوا ہیں؟ اسلام نے نان ونفقہ کی تمام ذمہ داری مرد پر ڈالی تھی لیکن بزدل مغرب نے مردوں کے دوش بدوش چلنے کا جھانسہ دی کر یہ سارا بوجھ اٹھا کر عورت کے سر پر رکھ دیا، جدید تہذیب کے نقیبوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ عورت پر احسان ہوا یا بدترین ظلم؟ عورت گھر کے فرائض بھی انجام دے، بال بچوں کی پرورش کا ذمہ بھی لے، مرد کی خدمت بھی بجالائے اور اسی کے ساتھ کسب معاش کی چکی میں بھی پسا کرے؟ ظاہر ہے کہ عورت کے فطری قوی اتنے بوجھ کے متحمل نہیں ہوسکتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر کا کاروبار نوکروں کے سپرد کرنا پڑا، بچوں کی تربیت وپرداخت ماماؤں کے حوالے کی گئی، روٹی ہوٹل سے منگوائی گئی، گھر کا سارا انظام تو ابتر ہوا ہی باہر کے فرائض پھر بھی عورت یکسوئی سے ادا نہ کرپائی نہ وہ کرسکتی ہے۔

پھر مردوزن کے اختلاط اور آلودہ نظروں کی آوارگی نے معاشرہ میں جو طوفان برپا کیا اس کے بیان سے زبان قلم کو حیا آتی ہے، یہ ہے آزادیٔ نسواں اور تعلیم نسواں کا پرفریب افسوں جس نے انسانیت کو تہ وبالا اور معاشرے کو کرب واضطراب میں مبتلا کردیا۔

عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا اہم سبب

اس کرب و ہیجان کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عام طور سے صنعت وحرفت اور دستکاری سے عار نوجوانوں کے مزاج میں داخل ہوگیا' گویا جب تک کوئی اچھی ملازمت یا کوئی بڑے پیمانے کا کاروبار نہ میسر ہو' اس وقت تک کسی کام کا شروع کرنا ''بابوانہ'' شان کے خلاف سمجھا گیا اور یہ بے جا تکبر بیروزگاری' زبوں حالی اور ذہنی انتشار پر منتج ہوا' کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حلال پیشے کو حقیر سمجھنا نہایت پست ذہنی کی علامت ہے' اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی جائز اور حلال پیشہ تحقیر و تذلیل کا مستحق نہیں' حدیث میں ہے:

''ما اکل احد طعاماً قط خیراً من ان یأکل من عمل یدیه' وان نبیّ الله داؤد علیه السلام کان یأکل من عمل یدیه''۔ (بخاری' بحوالہ مشکوۃ' ص:۲۴۱)

ترجمہ: ''کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا جو اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر ہو اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (باوجود عظیم سلطنت کے) اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے''۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نجار (بڑھئی) تھے' الغرض ایک طرف تو حرفت و دستکاری کو حقیر جانا گیا اور دوسری طرف کسی صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نوجوانوں کے لئے روزگار مہیا کرنے کی نئی صورتوں پر توجہ نہیں دی گئی' نتیجۂ بیکاری و بیروزگاری کا سیلاب امڈ آیا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کا مسئلہ پورے معاشرے کے لئے وبال بن گیا۔

اگر ہم اس مکروہ اور تکلیف دہ صورتِ حال سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے:

اولاً: اوپر سے نیچے تک پورے معاشرے کی اور بالخصوص نئی نسل کی دینی

تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ہوگا' اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں خالص دینی ماحول بنایا جائے' امتِ مسلمہ کا رشتہ مسجد سے قائم کیا جائے اور انہیں تبلیغی مراکز میں جوڑا جائے۔

ثانیاً: غیر اسلامی نظریات کی تلقین و تبلیغ کا سلسلہ یک لخت بند کرنا ہوگا' جس قوم کے پاس محمد ﷺ کا لایا ہوا پیغامِ حیات موجود ہو اور وہ اس کے مسائل کو حل نہ کر سکے تو خدا اس قوم کے کسی مسئلہ کو کبھی حل نہ کرے۔ ہمارے اربابِ اقتدار و اختیار کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ محمد ﷺ کے دامن کو چھوڑ کر لینن و ماؤ سے راہنمائی حاصل کرنے کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا:

﴿ضربت علیهم الذلة والمسکنة وباء وا بغضب من الله﴾

ثالثاً: خواتین کی بے پردگی' عریانی اور سرِ بازار رسوائی کا انسداد کرنا ہوگا' عورتوں کی بقدرِ ضرورت تعلیم پردہ میں ہو اور باہر کی تمام ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کیا جائے اور اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی خاتون کا کوئی معاشی کفیل نہیں تو اول تو قوم اور قومی خزانہ کا فرض ہے کہ ان کی معاشی کفالت اپنے ذمہ لے اور اگر قوم کی بے حسی اور حکام کی غفلت اس سے مانع ہو تو ان کے لئے باپردہ گھریلو صنعتوں کا انتظام کیا جائے' جس سے وہ اپنی معاش حاصل کرسکیں۔

الغرض معاشی بوجھ صرف مردوں کو اٹھانا چاہئے اور اگر شاذ و نادر یہ ذمہ داری عورتوں پر آئے تو ان کے لئے باپردہ انتظام کیا جائے' ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صرف عورتوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو آدھا انتشار اسی وقت ختم ہو جائے گا۔

رابعاً: اس ذہنیت کو ترک کرنا ہوگا کہ تعلیم صرف ملازمت کے لئے ہے اور یہ کہ فلاں پیشہ حقیر ہے' بلکہ صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نئی نسل کی افرادی قوت کو مفید کاموں میں لگانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ہوگا' اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں خالص دینی ماحول بنایا جائے' امتِ مسلمہ کا رشتہ مسجد سے قائم کیا جائے اور انہیں تبلیغی مراکز میں جوڑا جائے۔

ثانیاً: غیر اسلامی نظریات کی تلقین و تبلیغ کا سلسلہ یک لخت بند کرنا ہوگا' جس قوم کے پاس محمد ﷺ کا لایا ہوا پیغامِ حیات موجود ہو اور وہ اس کے مسائل کو حل نہ کر سکے تو خدا اس قوم کے کسی مسئلہ کو کبھی حل نہ کرے۔ ہمارے اربابِ اقتدار و اختیار کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ محمد ﷺ کے دامن کو چھوڑ کر لینن و ماؤ سے راہنمائی حاصل کرنے کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا:

﴿ضربت علیهم الذلة والمسکنة وباء وا بغضب من الله﴾

ثالثاً: خواتین کی بے پردگی' عریانی اور سرِ بازار رسوائی کا انسداد کرنا ہوگا' عورتوں کی بقدرِ ضرورت تعلیم پردہ میں ہو اور باہر کی تمام ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کیا جائے اور اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی خاتون کا کوئی معاشی کفیل نہیں تو اول تو قوم اور قومی خزانہ کا فرض ہے کہ ان کی معاشی کفالت اپنے ذمہ لے اور اگر قوم کی بے حسی اور حکام کی غفلت اس سے مانع ہو تو ان کے لئے باپردہ گھریلو صنعتوں کا انتظام کیا جائے' جس سے وہ اپنی معاش حاصل کرسکیں۔

الغرض معاشی بوجھ صرف مردوں کو اٹھانا چاہیئے اور اگر شاذ و نادر یہ ذمہ داری عورتوں پر آئے تو ان کے لئے باپردہ انتظام کیا جائے' ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صرف عورتوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو آدھا انتشار اسی وقت ختم ہو جائے گا۔

رابعاً: اس ذہنیت کو ترک کرنا ہوگا کہ تعلیم صرف ملازمت کے لئے ہے اور یہ کہ فلاں پیشہ حقیر ہے' بلکہ صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نئی نسل کی افرادی قوت کو مفید کاموں میں لگانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

تاریخ فتنۂ انکار حدیث اور اس کے اسباب

۱- پہلا سبب

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امتِ محمدیہ میں سب سے پہلا فتنہ جس نے سر اٹھایا وہ خارجیوں کا فتنہ ہے اسی فتنہ سے ٹکرا کر مسلمانوں کے اتحاد کی چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوئی، چنانچہ ان خارجیوں نے رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ سے بے تعلقی کا صاف اعلان کر دیا اور حضرت عثمان، حضرت علی، شرکاء جنگ جمل اور تحکیم (ثالثی) کو تسلیم کرنے والے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر قرار دیدیا، اس تکفیر کے نتیجہ میں ان تمام صحابہ کی احادیث جوانہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں ان کو صحیح ماننے سے بھی انکار کر دیا (کہ راوی حدیث کے لئے مسلمان ہونا اوّلین شرط ہے اور یہ سب کافر ہیں) اور اس طرح انکار حدیث وسن کی تخم ریزی شروع ہوگئی۔

۲- دوسرا سبب

پھر اس خارجیوں کے فتنہ کے بالمقابل شیعیت کے فتنہ نے سر اٹھایا حالانکہ شیعیت کا فتنہ ایک سیاسی ہتھکنڈا (اسٹنٹ) تھا (کہ حبِّ آل رسول کے نام سے ہی

اقتدار کی باگ ڈور کسی طرح شیعوں کے ہاتھ آ جائے) پھر انہی شیعوں میں سے سبائی رافضیوں کا گروہ منظر عام پر آیا انھوں نے حضرت علی کے ماسوا تینوں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کو اور چند طرفداران علی جن کی تعداد میں خود شیعوں کا بھی اختلاف ہے کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر قرار دیدیا، اس فتنہ کا فطری نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان چند رواۃ .... کے علاوہ جو ان کے حامی اور طرفدار تھے باقی تمام صحابہ کی حدیثوں کو ماننے سے انکار کردیا (کہ یہ سب کافر ہیں)۔

۳-تیسرا سبب

اس کے بعد (سنہ ۲ ہجری کے آخری میں) اعتزال (عقلیت پرستی) کا دور آیا چنانچہ اس عقلیت پرستی کے تسلّط نے معتزلہ کو ان تمام حدیثوں میں تاویلیں کرنے پر (اور تاویل نہ ہو سکنے کی صورت میں ان کو صحیح ماننے سے انکار کرنے پر) مجبور کردیا جن کو انہوں نے اپنے عقلی معتقدات کے خلاف محسوس کیا، عباسی خلیفہ مامون کے عہد میں جبکہ یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر منظر عام پر آئیں، مذہب اعتزال نے مامون کی سرپرستی میں بڑا فروغ حاصل کیا۔

۴-چوتھا سبب

جب خوارج اور معتزلہ دونوں نے اپنے اپنے معتقدات میں غلو کی بنا پر اعمال کو ایمان کا جزء اور رکن قرار دیدیا تو ردّ عمل کے طور پر ان کے مقابلہ میں مرجئہ کا گروہ اور ارجاء کا عقیدہ منظر عام پر آیا، مرجئی نے اس عقیدہ میں اتنا غلو کیا کہ صاف کہہ دیا:

''لَا تَضُرُّ مَعَ الْاِیْمَانِ مَعْصِیَةٌ کَمَا لَا تَنْفَعُ مَعَ الْکُفْرِ طَاعَةٌ''

ترجمہ: ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت ضرر نہیں پہنچاتی جیسے کہ کفر کے ہوتے کوئی بھی طاعت نفع نہیں پہونچاتی۔

اس عقیدہ کے نتیجہ میں مرجئہ نے رسول اللہ ﷺ کی ان تمام صحیح حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں کبیرہ گناہوں اور معصیتوں کے ارتکاب پر عذاب جہنم کی وعیدیں مذکور ہیں۔

۵- پانچواں سبب

اسی زمانہ مشہور گمراہ اور غالی جہم بن الصفوان الراسبی جو بعد میں قتل کر دیا گیا کا متبع فرقہ جہمیہ منظر عام پر آیا، اور صفات باری تعالی پر مشتمل احادیث کا اور روزانہ وجود میں آنے والی جزئیات اور حوادث وواقعات سے متعلق باری تعالی کے علم قبل از وقوع کی احادیث کا انکار کر دیا، خلق قرآن (قرآن کریم کے مخلوق ہونے) کا فتنہ اور جبر (بندہ کے مجبور محض ہونے) کا عقیدہ بڑے زور شور سے منظر عام پر آیا، نیز انہوں نے کفار کے ''خلود فی النار'' (دائمی طور پر جہنمی ہونے) کا بھی جوامت کا اجماعی عقیدہ تھا صاف انکار کر دیا۔

الغرض یہ خارجی قدری (معتزلی) شیعہ، مرجئہ جہمیہ، وہ بڑے بڑے گمراہ فرقے ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں نمودار ہوئے (اور انہوں نے اسلامی عقائد کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا انہی فرقوں نے اپنے اپنے اعتقادات کی حمایت کی غرض سے اپنے معتقدات کے مخالف احادیثِ صحیحہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور انہی کی بدولت انکارِ حدیث کا فتنہ ایک مستقل فتنہ کی صورت میں وبا کی طرح پھیل گیا جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں۔

یہ ہے انکارِ سنت وحدیث کی یا ان میں تحریف وتصرف اور خود ساختہ تاویلوں کا دروازہ کھولنے کی تاریخ اور اس کے وجوہ واسباب، ان خارجیوں، قدریوں، شیعوں، جہمیوں وغیرہ فرقوں نے ساری ہی حدیثوں کا انکار نہیں کیا نہ ہی ان کے لئے یہ ممکن تھا (کیونکہ یہ فرقے اپنے اپنے مسلک اور معتقدات کو حدیثوں سے ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ یہ فرقے صرف اپنے خلاف حدیثوں ہی کا انکار کرتے تھے) لیکن انہوں نے ایک ایسے راستے کی داغ بیل ڈالدی جس پر چل کر ملحدوں اور زندیقوں نے دینی عقائد واحکام سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی غرض سے علی الاعلان تمام ہی حدیثوں کا انکار کرنے اور الحاد وبے دینی کو فروغ دینے کا دروازہ چوپٹ کھول دیا۔

حفاظتِ حدیث کیلئے جدّ وجہد

لہذا اللہ جل شانہ کی حکمت متقاضی ہوئی کہ دین کے تانے بانے کی حفاظت اور سید الانبیآء والمرسلین علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت وحدیث سے دفاع کے لئے اور مسخ وتحریف، تغیر وتبدل سے پاک کرنے کی غرض سے، جن پر دین قائم ہے ائمہ اہل سنت وجماعت وحامیان دین الٰہی میدان میں آئیں اور اپنا فریضۂ حفاظت وحمایت شریعت محمدیہ ادا کریں۔

چنانچہ قرن اول کے ان حامیانِ دینِ متین کے اولین قائد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ، اس فرض کو ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے آپ کو خارجیوں خصوصاً خارجیوں کے فرقہ ''ازارقہ'' سے مقابلہ کے لئے وقف کردیا، یہ فرقہ ''ازارقہ'' نافع بن ازرق خارجی کا پیرو تھا چونکہ ان کا مرکز بصرہ تھا وہیں ان کی

زبردست طاقت وقوت تھی اور اقتدار وتسلط ان کو حاصل تھا اس لئے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے ازارقی خارجیوں سے علمی مقابلہ اور مناظرہ کے لئے کوفہ سے بیس مرتبہ بصرہ کا سفر کیا ہے، یہ نافع بن ازرق پہلا خارجی ہے جس نے اپنے فرقہ کا نام ''مرجئہ'' رکھا تھا جیسا کہ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے مناقب ابی حنیفۃ میں اس کی تصریح کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصانیف کتاب الام اور الرسالۃ میں ان منکرین سنت اور مرجئہ پر رد کرنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

امام احمد بن حنبل نے ''خلق قرآن'' کے مسئلہ میں معتزلہ کی تردید اور بیخ کنی کرنے کا کٹھن فریضہ انجام دیا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی لرزہ خیز ایذا رسانیوں اور مظالم کی داستان تاریخ اسلام کا ایک زبردست حادثہ اور المیہ ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب '' مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ '' میں لکھتے ہیں:

> ''اس مسلک (انکار حدیث وسنت) کے لوگ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں بکثرت موجود تھے انکے حلقہ ہائے درس میں آتے تھے ان ائمہ نے اپنی تصانیف میں ان کی تردیدیں کی ہیں ان سے مناظرے کئے ہیں''

چنانچہ سنت وحدیث کی حمایت ودفاع کی راہ میں امام ابوحنیفہ کے شاندار کارنامے اور ان خارجیوں، قدریوں، جہمیوں اور معتزلہ کی سرکوبی کے سلسلہ میں ان کی مسلسل کوشش وکاوش، تاریخ کی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے۔

جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ اور محدثین رحمہم اللہ کی مساعی مشکورہ مرجئہ

ی بیخ کنی کے سلسلہ میں ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کو مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں معتزلہ، جہمیہ، اور منکرین صفات کی سرکوبی کرنے کے لئے توفیق خداوندی کا سہرا نصیب ہوا ہے۔

ان دینی فسادات اور گمراہ کن فتنوں کے رونما ہونے کی وجہ سے ہی کبار محدثین اور قدیم ائمہ اہل سنت اور سرفہرست ائمہ حدیث نے ضروری سمجھا کہ ان منکرین حدیث وسنت کے رد میں مستقل تصانیف لکھیں جیسا کہ مدونین حدیث ائمہ مثلاً امام بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، وغیرہ نے اپنی اپنی مشہور ومعروف کتابوں میں مستقل ابواب ان علمبرداران الحادوزندقہ، گمراہ وگمراہ منکرین حدیث کے معتقدات کی تردید میں قائم کئے ہیں اوران کے رد میں حدیثیں جمع کی ہیں۔

لہٰذا ان تمام ائمہ حدیث اور حامیان سنت ائمہ کی مقدس ومبارک جدوجہد اورکوشش وکاوش کی بدولت حدیث وسنت ان مفسدوں کی دست درازیوں اور در اندازیوں سے بالکل محفوظ ہوگئی، یہاں تک کہ امام ابوجعفر طحاویؒ نے تو اپنی مشہور ومعروف حدیث کی کتابیں مشکل الاثار، اور شرح معانی الاثار صرف اسی مقصد اور داعیہ کے تحت تصنیف کی ہیں جیسا کہ ان کتابوں میں انہوں نے خود تصریح کی ہے اسی لئے یہ دونوں کتابیں حدیث وسنت اوران کے معانی ومقاصد کی تشریح وتوضیح کے اور منکرین حدیث کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا جواب دینے کے سلسلہ میں یکتا اور بے مثل کتابیں سمجھی گئی ہیں، جیسا کہ امام طحاوی نے شرح معانی الاثار کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے۔